سوانح

حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

جامع شریعت و طریقت شیخ المحدثین والمفسرین
کے حالات و کمالات کا مرقع

حافظ قاری فیوض الرحمٰن ایم اے، ایم او ایل
صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج، ایبٹ آباد

پاکستان بک سنٹر
اردو بازار، لاہور

سوانح

حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

جامع شریعت و طریقت شیخ المحدثین والمفسرین
کے حالات و کمالات کا مرقع

حافظ قاری فیوض الرحمن ایم اے، ایم او ایل
صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج، ایبٹ آباد

پاکستان بک سنٹر
اردو بازار، لاہور

طبع اوّل

نام کتاب ---------- سوانح مولانا محمد رسول خاں صاحبؒ

ترتیب ---------- حافظ قاری فیوض الرحمان ایم اے

کتابت ---------- خبیب احمد سلیم لاہور

ناشر ---------- پاکستان بک سنٹر اردو بازار لاہور

تاریخ اشاعت ---------- رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

تعداد ---------- دو ہزار

مطبع ---------- کاروان پریس لاہور

ہدیہ ---------- ۵ روپے۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

۱۹ نومبر ۱۹۷۱ء کو ہفت روزہ "ترجمان اسلام" میں استاذ المحدثین حضرت مولانا رسول خان صاحب رح کے عقیدت مندوں سے میں نے اپیل کی تھی کہ مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔ بعد ازاں "خدام الدین" لاہور میں بھی اپیل کی گئی لیکن کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر میں نے فرداً فرداً اکابر کی خدمت میں گزارش کی تو انہوں نے از راہِ کرم حضرت رح کی زندگی کے مختلف شعبوں پر نہایت قیمتی مضامین ارسال فرمائے۔

اکابر کے علاوہ چند مخلص دوستوں اور بزرگوں نے بھی تعاون فرمایا۔ میں ان تمام بزرگوں کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت رح کے نواسے مولوی شفیق الرحمان صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر نہایت قیمتی مواد میرے سامنے رکھ دیا، اس مواد کو ہم نے اکھٹے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے دی اور چونکہ مواد انہی کا تھا اس لیے اس مضمون پر نام بھی انہی کا ہے۔

آخر میں برادر مکرم و محترم حضرت مولانا قاری محمد عارف صاحب ایم اے

کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے کتابت کی تصحیح و تصویب میں میری امداد فرمائی فجزاہ اللہ احسن الجزاء

میں نے مضامین حاصل کرنے اور پھر انہیں ترتیب دینے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کتاب کو مختصر اور جامع بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس کتاب سے نفع حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

فیوض الرحمان ایم اے

از علامہ سید شمس الحق صاحب افغانی
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت مولانا محمدؐ رسول خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ

۱۔ حسنِ ظاہری

حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری سے نوازا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے درس میں شمائل ترمذی زیرِ تعلیم تھی۔ جس میں حضور علیہ السلام کے حلیہ مبارکہ کے ایک ایک عضو شریف کا بیان تھا اور حضرت مولانا مرحوم اس کی دلنشیں تشریح فرماتے تھے۔ شرکارِ درس نے بالاتفاق یہ بیان کیا کہ حلیۂ مبارکہ نبویہ کی اگر ہمارے زمانے میں کوئی ہستی قریب تر مثالی مصداق ہو سکتی ہے تو وہ خود حضرت مولانا محمد رسول خان ہیں جو ہم کو شمائل کا درس دیتے ہیں جن حضرات نے حضرت مولانا کو اس وقت دیکھا ہے وہ اس کی تصدیق کریں گے یہ زمانہ ۱۳۳۹ھ کا ہے۔

۲۔ حسنِ باطنی

حضرت مولانا مرحوم کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا۔ آپ کی زبان کذب، غیبت، بدگوئی، بہتان تراشی، کسی کے حق میں توہین آمیز کلمات، نیز اپنی بڑائی اور کسی کمال کے دعوے کرنے سے قطعاً ناآشنا تھی، یعنی زبان کا ایسا تزکیہ آپ کو حاصل تھا کہ لسانی معاصی کا آپ کے حق میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا سخت نامعقول سوال پر بھی صرف "بزِ اخفش" کا ظریفانہ لفظ شاذ و نادر رو برو

کہہ دیتے تھے جس سے مقصود طالب علم کی تربیت تھی۔

آپ کا حلم وصبر، تواضع وخاکساری بے مثال تھی۔ آپ نے صراحۃً اور اشارۃً کبھی ایسا قول نہیں کہا اور نہ ہی ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس سے بڑائی اور تکبر کی بُو آتی ہو۔ انتہائی حلیم اور بردبار تھے اور آخری دم تک آپ کے ان اوصاف میں فرق نہیں آیا۔ ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:۔

"مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی نقل میں ثقہ ہیں، لیکن میرے دل میں ان کا احترام ان کے تقوے کی وجہ سے ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مولانا لکھنوی کی خدمت میں سات برس رہا لیکن کثرتِ مخالفین کے باوجود میں نے ان سے کوئی کلمہ غیبت کا اس پوری مدت میں نہیں سنا۔"

حضرت استاذ کشمیری فرماتے تھے:۔

"یہ وہ وصف ہے کہ عوام میں کیا، اکثر علماء میں بھی نایاب ہے۔"

احقر کہتا ہے کہ یہ وصف مولانا رسول خان مرحوم کے اندر بھی موجود تھا۔ لہٰذا آپ حسبِ حدیث کان رسول اللہ احسن الناس خلقا و خُلُقا کے تحت حسن صورت وسیرت کے جامع تھے۔

حضرت مرحوم کا علمی مقام

عِلم ظاہری میں آپ کا مقام ممتاز تھا، معقولات میں آپ نے اکابر علماء سے فیض حاصل کیا جن میں مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی مدرسِ اعلیٰ

دارالعلوم دیوبند بھی تھے جو خود علامہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کے بھی استاذ تھے اور آپ نے علومِ نقلیہ خصوصاً حدیث کا فیض حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ عقلی یا نقلی علوم پر جب تقریر فرماتے تھے تو مشکل مقام ہر درجہ کے طالب علم کے ذہن نشین کرتے تھے اور معقول کو مشہود بنا دیتے تھے۔ آپ کا درس تفہیمی لحاظ سے ایک ممتاز مقام رکھتا تھا اور اپنی فصاحتِ بیان سے تمام طلبہ کو پوری طرح مطمئن کر دیتے تھے کہ آپ کی تقریر کے بعد مضمونِ کتاب میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا تھا۔

آپ کا مقام عرفان

آپ کی طبیعت ذاتی طور پر فکرِ آخرت کی طرف مائل تھی، پھر مدارج تصوّف قطب الارشاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے طے فرماکر خلعتِ خلافت سے نوازے گئے۔ ایک بار مدرسی دارالعلوم دیوبند کے دوران میں لاہور آیا اور مولانا سے ملاقات کا ارادہ کیا، گھر سے تشریف لانے سے قبل میں نے بیٹھک میں مولانا کے زیرِ مطالعہ کتب کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو سب کتابیں تصوف اور فکرِ آخرت سے متعلق تھیں جس سے مجھے مولانا مرحوم کے مذاق کا اندازہ ہوا۔ مولانا نے دیوبند میں جو منصبِ تدریس چھوڑا تھا اس پر احقر کا تقرر ہوا۔ میں نے مولانا سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ یہ ہیچمدان اس منصب کے لیے موزوں نہ تھا، جس پر آپ نے فطری تواضع کے تحت فوراً فرمایا کہ "حق بحق دار رسید"

جامعہ اشرفیہ لاہور میں جب کبھی احقر کو آنے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو حضرت

مولانا مرحوم علم کلام، منطق، فلسفہ کے پیچیدہ مسائل پر احقر سے بصورتِ استفسار بحث شروع فرمانے تھے اور اساتذہ جامعہ بھی اکثر اوقات موجود ہوتے تھے اور علمی مجلس دیر تک جاری رہتی تھی، یہ اکابر و اصاغر کی بحث ہوتی تھی لیکن فریقین کے علاوہ شرکاءِ مجلس حضرات بھی اس سے فیض و حظ اٹھاتے تھے۔ میں بھی مولانا مرحوم کے اصرار پر جو ذہن نارسا میں ہوتا تھا، کہہ دیتا تھا اور مولانا مرحوم مسرور ہو جاتے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ

یہ چند سطور قطرہ از دریا ہے!

شمس الحق افغانی، جامعہ اسلامیہ بہاولپور
یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ - ۳ جون ۱۹۷۳ء
بروز اتوار

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

میرے استاذِ محترم!

حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر ناکارہ محمد شفیع نے عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے بعد ۱۳۳۱ھ میں دار العلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لیا تو جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ان کی علمی قدر و منزلت سے تو بہت بعد میں واقفیت ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن کا امام تھا۔ شروع تعلیم کے وقت تو صرف ہمارے ایک معلّم تھے جن کی خدمت میں خوف ورغبت کے ملے جلے جذبات کے تحت حاضری رہتی تھی، انہیں بزرگوں میں حضرت الاستاذ العلامہ مولانا رسول خان صاحبؒ بھی ہیں جن کی خدمت میں حاضری اور مختلف فنون کی بہت سی کتابوں میں تلمذ و استفادہ کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ سلم العلوم، میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ اور حمد اللہ شرح سلم منطق میں اور میبذی فلسفہ میں آپ ہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں حمد اللہ کا ابتدائی کچھ حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ

سے پڑھا تھا۔ پھر بقیہ حضرت علامہ سے حاصل کیا۔ ہدایہ اولین کا سبق شروع میں حضرت قاسم العلوم والخیرات کے صاحبزادے اور دار العلوم کے صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں شروع ہوا تھا پھر ان کو حیدر آباد کا سفر پیش آگیا تو کچھ حصہ کتاب الحج کا حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی قدس سرہٗ سے پڑھا پھر ان کو دوسرے مشاغل نے فرصت نہ دی تو بقیہ ہدایہ اولین بھی حضرت علامہ مولانا رسول خان صاحبؒ سے پڑھی، اصولِ فقہ میں حسامی احقر نے خصوصیت کے ساتھ مدرسہ کے اسباق کے علاوہ حضرت علامہ سے ان کے مکان پر روزانہ حاضری دے کر پڑھی۔

حضرت علامہ کو اس ناچیز شاگرد پر بے حد شفقت و عنایت تھی۔ ضابطہ کی طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اکابر اساتذہ کے آغوش میں رہنے سے کچھ اسباق تعلیم کے لیے احقر کو سپرد ہو گئے۔ انہیں کی شفقتوں و عنایتوں کے زیر سایہ درس و تدریس میں بھی حق تعالیٰ نے ترقی عطا فرمائی۔

حضرت علامہ مولانا رسول خان صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے ہر فن میں ایسا کمال عطا فرمایا کہ ان کے درس سے انسان فن کی حقیقت کو سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر علم و فن کی کتابیں گویا ازبر یاد تھیں۔ جب کسی کتاب کے کسی مسئلے میں آپ سے پوچھا گیا تو اس کا علم مستحضر اور جواب شافی پایا گیا۔

ان تمام علمی کمالات کے باوجود مواضع شہرت سے بیگانہ گوشہ نشینی کے عادی، تواضع کے پیکر تھے۔ مجھے چونکہ زمانہ طالب علمی سے خصوصی عنایات تھیں۔ جب آپ کا ارادہ یہ ہوا کہ علم ظاہر کے ساتھ باطن کی

اصلاح اور تصوف و سلوک حاصل کیا جائے اور اس کے لیے حضرت حکیم الامۃ سیدی حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا تھا، احقر کو ساتھ لیا۔ کیونکہ احقر پہلے سے اس دربار میں حاضری کا اور حضرت قدس سرہٗ کی خصوصی عنایات کا شرف رکھتا تھا۔

حضرتؒ نے احقر کی درخواست اور حضرت علامہ کی تمنا کو پورا فرمایا، بیعت و تلقین شروع ہو گئی تاآنکہ حق تعالیٰ نے آپ کو وہ کمال عطا فرمایا کہ حضرت حکیم الامت کے خلفاء و مجازین میں شامل ہوئے اور ان کی برکت سے ہزاروں بندگانِ خدا کی اصلاح آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند کے درس و تدریس کا اصل مدار زہد و قناعت پر تھا۔ سبھی اکابر و اصاغر کی تنخواہیں بہت قلیل تھیں۔ گزارہ تنگی سے ہوتا تھا۔ حضرت علامہ کو ایک زمانہ میں عیال کی کثرت اور اخراجات کی زیادتی نے اس پر مجبور کر دیا کہ اورنٹیل کالج لاہور کی دعوت برائے تدریس قبول فرمائی اور ایک عرصہ اس خدمت میں گزارا مگر تعلیم و تعلم کا جو ذوق طبعی اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں ودیعت فرمایا تھا اس کی تسکین کالجی طرزِ تعلیم سے نہ ہوئی تھی۔

اس زمانہ میں کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں لاہور کی حاضری کا اتفاق ہوا کالج میں حاضری ہوئی۔ تنخواہ تو کالج کی ہوتی تھی مگر حضرت علامہ کو اپنے علمی ذوق کی تسکین بے قرار رکھتی تھی تاآنکہ حق تعالیٰ نے پھر آپ کو اپنے اصلی مرکز کی طرف لوٹا دیا اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فراستِ

ایمانی نے آپ کا انتخاب اپنے جامعہ اشرفیہ میں علم حدیث کی تدریس کے لیے کرلیا اور اب وہ اس پر ایسے جمے کہ تا دم آخر جامعہ میں درس حدیث کی خدمت کرتے ہوئے ہی اپنے ربِّ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت علامہ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا طویل زمانہ حق تعالیٰ نے نصیب فرمایا مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان کے کمالاتِ علمیہ کو ضبطِ تحریر میں لانا احقر کے بس کی بات نہیں۔ خصوصاً اب کہ عمر کے اٹھترویں سال میں اقسامِ امراض میں مبتلا ہوں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے حسنات کا حصہ ہم کو بھی عطا فرمائیں وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کا ایک مکتوب بھی شامل کردیا جائے جس میں آپ نے میرے رسالہ "دستورِ قرآنی" اور رسالہ "آلہ مکبر الصوت" کو ملاحظہ فرمانے کے بعد "مکبر الصوت" کے متعلق اپنی رائے گرامی تحریر فرمائی ہے۔

{والانامہ پنسل سے لکھا ہوا تھا۔}

مکتوب

حضرت العلامہ مولانا رسول خان صاحبؒ

"پنسل سے لکھنے میں مجھے آسانی ہوتی ہے، قلم سے تکلیف ہوتی ہے اگر گستاخی ہو تو معافی کا مستحق ہوں۔

بعزت مآب جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، !

جناب والا کے دو صحیفے ملکوتی وصول پاکر باعثِ فخر و صد عزت ہوئے جناب کے یاد فرمائی کے شکر سے عاجز ہوں اور قرآنی نکات پر تنبیہ فرمانے کا شاکر ہوں۔ حق تعالیٰ ایسے نفوسِ قدسیہ کو مثل لوح محفوظ کے ہر فتنے سے محفوظ رکھے تاکہ عالم اسلام ان سے سیراب ہوتا رہے۔ آمین۔

"دستور قرآنی" اور "آلہ مکبر الصوت" کے مطالعہ سے جو مختلف اوقاتِ فرصت میں ہوتا رہا۔ آج بحمدہٖ تعالیٰ فارغ ہوا۔ یہ خیال تھا کہ مطالعہ کے بعد علیٰ سبیل البصیرت اعلیٰ شکریہ خدمتِ عالیہ میں پیش کروں۔ مطالعہ کے بعد جناب عالی کی اصولی فقاہت بامتانت سے بے حد محظوظ ہوا۔ اللہ تعالیٰ جناب کی طویل عمر کے برکات سے ہر خاص و عام کو متمتع فرمائے۔

"دستور قرآنی" میں ہر دعوے کو آپ نے نصوص قرآنیہ صریحہ سے ثابت فرمایا ہے اس لیے واجب التسلیم ہوا اور اس کی ہی برکت سے دستور منشور ہوا اور آپ کی ذات گرامی اس میں اصل الاصول ثابت ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

باقی رہا آلہ مکبر الصوت اس میں بھی جناب کی تحقیق و تدقیق کا نہایت اعلیٰ
اور بلند پایہ پرواز ہے۔ نیز مدلل ہونے کے علاوہ بے حد دلچسپ ہے
ہیں اس کے متعلق بضاعتِ مزجات پیش کر کے ادن لنا الکیل کے
ماتحت معافی کی درخواست بھی کرتا ہوں۔ اظہار رائے مقصود ہے خلاف
ہرگز مقصود نہیں۔ میرے خیال میں مکبر الصوت کے فساد و صحت صلوٰۃ
کا مدار عینیت اور غیریّت آواز پر نہیں بلکہ ضرورت و عدم ضرورت پر اس
کا مدار ہے۔ امام کی آواز بذریعہ ہوا یا مکبر صوت ہو ہر حال میں آواز امام
سے بعینہٖ نہیں غیر ہے اس لیے کہ صوت اگر عرض ہو تو بعد تلفظ لافظ
معدوم ہو گا۔ اس کی بقا بجلب القابل باعتبار تجدد امثال ہو گی جیسے نازلہ
من السماء، تجدد امثال سے متجدد معلوم ہوتا ہے اور شعلہ جوالہ بھی بذریعہ
امثال دائر محسوس ہوتا ہے مگر یہ دونوں جوہر ہیں اس لیے بعینہٖ اول
سے آخر تک باقی رہتے ہیں۔ صوت اگر عرض ہو تو لافظ کے تلفظ کے
بعد معدوم بھی ہو گا۔ اس کا مثل بواسطہ ہوا یا مکبر صوت مقتدی تک پہنچے گا
نہ عین آواز امام۔ یعنی ایصال قابل کی طرف سے ہے فاعل کی جانب سے
نہیں۔ قطرہ نازلہ کی طرح نہیں۔ وہ جوہر کی وجہ سے آتا ہے۔ یہ عرض ہونے
کے بمثلہٖ پہنچتا ہے نہ بعینہٖ۔ لیکن ہوا چونکہ موقوف علیہ ایصال صوت یعنی
"لولاہ لامتنع" ہے۔ اس ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کے ماتحت کہ
"الضرورت تبیح المحظورات" یہ غیریّت برداشت کی جائے گی۔ صدائے
بازگشت اور آلہ مکبر الصوت چونکہ ضروری نہیں اس لیے اگر مفسدِ صلوٰۃ

ہو تو ممکن ہے۔

اسی ضرورت کے ماتحت باب ربوا میں حنطہ کی تفاوتِ فطری جیّد ہا و ردّیہا سے ہدر فرمایا گیا اور منقلی و غیر منقلی کی تفاوت ہدر نہیں چونکہ ضروری نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

اُستاذ محترم حضرت علامہؒ

مولانا رسول خان مرحوم

از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحب قدس اللہ سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔ حضرت کا علم بحر بے پایاں اور عمیق تھا۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مرحوم بھی تمام علومِ عقلیہ اور فنون کے امام تھے۔ پھر معقولات کے ساتھ منقولات پر بھی دسترس حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں علم الکلام وفلسفہ ومنطق کی اونچی کتب مثلاً قاضی، شرح سلم، صدرا، شمس بازغہ، مسامرہ، امورِ عامہ، شرحِ اشارات، شرح عقائد جلالی اور کبھی طحاوی شریف، بیضاوی ومسلم شریف بھی پڑھاتے تھے۔ ناچیز کے بھی نہایت مشفق استاد تھے اور دارالعلوم دیوبند کی طالب العلمی کے دوران معقولات میں قاضی شرح سلم العلوم، صدرا، شمس بازغہ اور احادیث میں طحاوی شریف، کلام میں شرح عقائد جلالی، مناظرہ میں رشیدیہ وغیرہ کئی کتابوں میں ان کا شرف تلمذ حاصل ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے جلسوں میں جب جانا ہوتا اور وہاں میں زیارت کے لیے حاضر ہوتا تو دارالعلوم حقانیہ کی علمی

ترقیات بالخصوص اس میں معقولات کی درس و تدریس کے اہتمام پر بہت مسرت کا اظہار فرماتے اور ہمیشہ خاص دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔

دیوبند میں انہی کے ہمعصر حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم بھی علوم وفنون میں یکتا اور امامِ وقت تھے۔ ناچیز نے ان سے علمِ حدیث میں مسلم شریف، اصولِ فقہ میں توضیح تلویح اور مسلم الثبوت، علمِ منطق و فلسفہ میں امورِ عامہ، شرح اشارات وغیرہ پڑھیں۔ دونوں حضرات میں دیگر اساتذہ کرام کی طرح بے حد محبت اور ربط و تعلق رہتا اور ہر ایک دوسرے کی قدر روانی اور اعترافِ کمالات میں پیش پیش رہتے۔ طلباء دار العلوم دیوبند کی علمی ترقی میں حضرت مولانا مرحوم کی مساعی کو بڑا دخل رہا۔

اندازِ تدریس

طالب العلموں کو کتاب دانی اور مطالعہ کا طریقہ بتلاتے۔ طالب العلم تھوڑی سی عبارت پڑھ لیتا۔ پھر حضرت اول تو عبارتِ کتاب کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت فرماتے۔ مرادات سے عبارت کا انطباق فرماتے پھر قیودات کے فوائد بیان کرتے اور نقض و ابرام کر کے مسئلہ کو نہایت منقح کر دیتے اور اس کے بعد نفس مسئلہ اور فنی مباحث پر تفصیلی تقریر ہوتی۔ گویا دقائق و حقائق کا ایک سمندر موجزن ہوتا اور ان کی زبان سے گویا علمی جواہرات اور موتی جھڑتے تھے۔

اخلاق و عادات

حضرت طلباء پر از حد شفیق تھے۔ متانت اور وقار کے پہاڑ تھے۔

بردباری اور تحمل کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع بھی تھے۔ لباس، چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مترشح ہوتی، مادری زبان پشتو تھی مگر دیوبند میں گھر سے باہر کبھی بھی پشتو بولتے نہیں دیکھا۔

تواضع

اس بے نظیر علم کے ساتھ تواضع بھی از حد تھی۔ ایک ادنیٰ تلمیذ سے بھی ایسے گفتگو فرمایا کرتے جیسے کوئی بڑے عالم سے ہم کلام ہو۔

تقوےٰ

تقوےٰ کا مجسمہ تھے۔ اواخر عمر کا اکثر حصہ ذکر و اذکار، فکر و مراقبہ، تبلیغ و ارشاد میں گزارا۔ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے لے کر اب تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں حدیث کی تدریس فرماتے رہے اور یہ جامعہ کی خوش بختی تھی کہ اسے ایسا نمونۂ سلف بزرگ مل گیا تھا۔ جامعہ میں ان کا ترمذی شریف کا درس بے نظیر ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے اسلاف میں سے تھے۔ افسوس کہ اکابر سب چلے گئے مگر کوئی بدل نہیں مل سکے گا بلکہ ایسے جامع الصفات اکابر کا کسی ایک وصف میں بھی بدل نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
نیوٹاؤن کراچی

وفاتِ استاذالکل

حضرت مولانا محمد رسول خانؒ

آپ معمر ترین بزرگ اور استاذالکل عالم تھے جن کی زندگی کے تقریباً اسی برس تعلیم و تدریس میں گزرے جن میں پورے بتیس سال نو دارالعلوم دیوبند کا عہدِ تدریس ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغتِ تحصیلِ علم کے بعد مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے۔ چند سالوں کے دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اربابِ اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں مدرس مقرر ہوتے اور پہلا درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں ان کا امتحان ہوا۔ اس درس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب وغیرہ اکابر و اساتذہ سب شریک ہوئے۔ موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے۔ دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصولِ فقہ، معقول و فلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک

حمد اللہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت ، صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر وسائر تھیں اور وہ بہ سبیل تناوب انہیں پڑھایا کرتے ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیّت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کی تھی جو اِن علوم وفنون کے امام تھے۔ آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے معقول ومنقول دونوں کے بہترین مدرس تھے حسنِ تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں۔ بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے۔ خوبصورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع باوقار بزرگ تھے۔ آخر تک تمام خصوصیّات قائم رہیں۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گزارا۔ چند سال اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں "مولوی فاضل" کی کتابیں پڑھائیں۔ آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا۔ دَورِ حاضر میں کوئی عالم ایسا نہ ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو۔ ضلع ہزارہ کی تحصیل "بفہ" میں ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقے "بفہ" کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے۔ ویسے تو سب ہی جانے کے لیے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دَور آرہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا۔

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ - اٰمین

آہ! میرے آخری اُستاد بھی دارِ فانی سے چل پڑے"

اِز حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہٗ

ہمارے استادوں میں سے ایک اور صرف ایک نشانی بزرگوں کی باقی تھی یعنی جامع معقول ومنقول خلیفہ حضرت تھانویؒ ——— حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ آہ! وہ آخری چراغ بھی گل ہوگیا۔ آپ نے رمضان المبارک ہی میں سفرِ آخرت فرمایا۔

ایک سال پہلے جب آپ کے لیے قربانی کا جانور خریدا جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"اچھا موٹا تازہ جانور لینا۔ میری یہ آخری قربانی ہے۔"

جب آپ اس سال وفات کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ:۔

"میرا ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔"

اور جب پچھلی رات رہی تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"اب میری ایک رات دنیا میں رہ گئی ہے۔"

وفات کی صبح بھی نماز وضو کرکے پڑھی حالانکہ وضو میں تکلیف ہوتی تھی، اس رات مغرب کے وقت نماز کا کہا تو ایک بچے نے تکلیف کی وجہ سے

کہہ دیا کہ آپ نے مغرب کی نماز پڑھ لی ہے۔ آپ غصہ ہوئے اور اس کو قسم دی کہ واقعی میں نے مغرب کی نماز پڑھ لی ہے؟ وہ بچہ ڈر گیا، بہرحال آپ کو اٹھایا گیا، آپ نے وضو کیا اور نماز ادا کی، اس بچے سے کہا:۔

"تم میری تکلیف کا خیال کرتے ہو، نماز جیسی چیز کا خیال نہیں کرتے"

وفات سے چند گھڑیاں پہلے دریافت فرمایا کہ "آج کونسا دن ہے" کہا گیا "سوموار"۔ آپ نہ سمجھے، پھر کہا گیا "پیر کا دن"۔ پس آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور آخر میں پڑھا، فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ — بس یہ آخری جملہ تھا اور روح مبارک پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

آپ سے پہلے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ملتان، حضرت مولانا خدا بخش صاحبؒ ملتان، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ میاں چنوں، حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ جالندھری، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور حضرت مولانا داؤد صاحب غزنویؒ بھی اس جہانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر گئے۔ آخری دنوں میں حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ اور کوئٹہ کے حضرت مولانا عرض محمد صاحبؒ رخصت ہوئے۔ ایبٹ آباد کے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحبؒ میرے ہم عصر تھے۔ حضرت جالندھریؒ اور قاضی صاحب شجاع آبادی بہت متاخر تھے۔

اب میں ان سے ملنے کا انتظار کرتا ہوں۔ تمام بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ان تمام بزرگوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں اور احقر کے حسن خاتمہ اور اخلاص و توفیقِ عمل کے لیے بھی دعا کریں۔

(ترجمان اسلام ۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ء)

۱۷۔ جولائی ۱۹۷۳ء کو بفہ میں حضرت سے اس مضمون کی اجازت حاصل کی گئی ——— (مرتب)

از حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب
پی۔ای۔ایس ریٹائرڈ
کیمبلپور

اُستاذِ محترم قدس سرہٗ میری نظر میں

علماءِ سلف کی کامیاب علمی اور عملی زندگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے تمام علمی اور عملی کمالات کو اپنے ینابیع الفیوض والبرکات کی طرف منسوب سمجھا اور اپنے اساتذہ کرام کے اسماء اور ان کی علمی فوقیت کو ہمیشہ فخر کے ساتھ بیان کرتے رہے اور ان کے لیے دعاءِ رفع درجات کرتے تھے۔ اسحاق بن راہویہ نے فرمایا، ایسی رات کوئی ہوگی جس میں مَیں نے اپنے اساتذہ اور تلامذہ کے لیے دعا نہ کی ہوگی۔ اس سلسلہ کے لیے ایک خاص موضوع برنامج کے نام سے زیر قلم رہا۔ چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے اشبیلہ کا محقق عالم ابوالحسن علی بن محمد نے تو اس پر مستقل کتاب اسی نام کے ساتھ لکھی جو ۱۹۶۲ء میں دمشق سے شائع ہو چکی ہے اس میں ابوالحسن نے اپنے ایک سو بارہ اساتذہ کرام کا ذکر، ان کا طریقہ تدریس، طلبہ کا ادب، کتبِ خواندہ وغیرھا تمام امور ضروریہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عارف کبیر الامام عبدالوہاب بن احمد الشعرانی نے بھی اپنے مشائخ اور اساتذہ کا تذکرہ اپنی کتاب طبقات میں فرمایا اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم یقین کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب لطائف المنن میں ذکر فرمایا ہے۔

زمانہ جس قدر دورِ نبوت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اسی قدر اپنے محسنین کے ساتھ لگاؤ وقتی طور پر ہی کافی سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض حرمان نصیب تو اپنا مبلغ علم ہی اسی کو سمجھتے ہیں کہ اساتذہ پر تنقید کی جائے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کو اپنی لاشعور زندگی کا غیر اہم واقعہ سمجھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان تاریک ایام میں فاضل نوجوان عالم باعمل اسم بامسمیٰ جناب حافظ قاری فیوض الرحمان ایم۔اے کو اللہ تعالیٰ نے اس اہم موضوع پر لکھنے اور اسے واقفیتِ عامہ کے لیے شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماوے اور اس سے زیادہ آپ کے فیوضات اور برکات سے لوگوں کو مستفیض ہونے کی سعادت بخشے۔ آمین

محمد زاہد الحسینی غفرلہٗ

احقر کو بھی ان ہی کا حکم ہے کہ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا رسول خان صاحب قدس سرہٗ کے متعلق اپنے تاثرات کو قلمبند کروں۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم القدر احسانات میں سے یہ احسان بہت ہی بڑا ہے کہ ان گناہ گار آنکھوں نے جن علماءِ امت اور مشائخ ملت کی زیارت کی ہے ان کی نظیر مستقبل میں ملنی مشکل ہے۔ بلکہ اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ :-

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تو نے امام احمدؒ بن حنبل کو دیکھا ہے تو میں کہہ دوں گا ضرور دیکھا ہے، جسے دنیا نے شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کے نام سے جانا وہی امام احمد بن حنبل کا پر تو تھے۔ اگر سائل یہ پوچھے کہ تو نے

بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ کو دیکھا ہے تو میں کہدوں گا ضرور دیکھا ہے، جسے لوگ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی کہتے ہیں وہی جنید اور بایزیدِ وقت تھے۔ اگر کوئی مستفہم یہ کہے کہ تو نے فخر الدین رازی سے بہتر اور ابنِ سینا سے زیادہ محقق کوئی دیکھا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کو دیکھا ہے جو رازیٔ وقت تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ تو نے روایت کا حافظ اور درایت کا مخزن، ابن رشد اندلسی سے بہتر اور امام غزالیؒ کا نمونہ کسی کو دیکھا ہے تو میں بلا تردّد یہ کہہ دوں گا کہ میں نے مولانا رسول خان کو دیکھا ہے جو مجمع البحرین نہیں مجمع البحار بلکہ مجمع بحار الانوار تھے۔

حضرت استاذ محترم قدس سرّہ العزیز کی زیارت پہلی مرتبہ شوال ۱۳۵۱ھ میں ہوئی جب کہ احقر دیوبند کے دار العلوم والفیوض میں داخلہ کی غرض سے حاضر ہوا اور احقر کا امتحانِ داخلہ حضرت مرحوم ومغفور کے پاس مقرر ہوا۔ دار العلوم کے نوٹس بورڈ کو پڑھ کر واقف احباب نے ڈرایا کہ حضرتؒ کو امتحان دینا کارے دارد۔ اپنا سارا اثاثہ اور سرمایہ بضاعۃ مزجاۃ ہی تھا اور غالب گمان یہی تھا کہ امتحان کا نتیجہ امتہان ہی نکلے گا۔ کمرۂ امتحان میں داخل ہونے سے تھوڑی دیر پہلے کچھ سکون اور اطمینان حاصل ہوا کیونکہ اس سے تین سال پہلے مظاہر العلوم میں داخلہ کا امتحان حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس تھا جن کا رعب اور سخت گیری مشہور تھی۔ وہاں بھی تُک بندی سے کام بن گیا۔ حضرت نے مجھ سے کنز الدقائق کے کتاب الدعویٰ کی تین سطریں پڑھوائیں اور پھر ترجمہ اور مطلب پوچھنے سے پہلے ہی یہ ارشاد فرمایا کہ اِدَّعیٰ

کیا صیغہ ہے؟ والد ماجد مرحوم مغفور سے صرف میر، ابواب الصرف اور تعلیلات پڑھی تھیں۔ بس ان ہی کی روحانیت کام آگئی۔ نہ صرف صیغہ بتایا بلکہ بات لمبی کرنے کے لیے قابلیت کا یوں اظہار کیا کہ اِدَّعٰی کی پوری شرح کر ڈالی خطرہ یہ تھا کہ کہیں کچھ اور نہ پوچھ لیں مگر میری چرب زبانی سے حضرت متاثر ہوئے، اور اسی وقت داخلہ باطعام کا حکم صادر فرما دیا۔ مدظلہم العالی۔

یہاں بھی اسی تک بندی کا ارادہ تھا مگر جب کمرۂ امتحان میں داخل ہوا تو علم و فضل کے ناپیدا کنار سمندر کو دیکھ کر ایسا مرعوب ہوا کہ دانستہ و نادانستہ برابر شد۔ پھر اس گھڑی تو عجیب حال ہو گیا جبکہ حضرت کی تپائی پر میر زاہد ملا جلال دیکھ لیا۔ کچھ یوں معلوم ہوا کہ حضرت نے میرا نام محمد زاہد پڑھ کر میر زاہد ہی کو پہلے امتحان کے لیے رکھا۔ خوب اچھی طرح یاد ہے۔ حضرت نے پوچھا میر زاہد کس سے پڑھا ہے۔ عرض کیا حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی سے۔ مشکوٰۃ اور میر زاہد ملا جلال کا امتحان لیا۔ میر زاہد کے سوال تو اب یاد نہیں، البتہ مشکوٰۃ کی حدیث اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ تلاوتِ قرآن مجید پر مشتمل تھی وہ پڑھوائی اور ترجمہ کرایا۔

یہاں بھی چرب زبانی کام آگئی اور مرحوم کی شفقت سے دارالعلوم میں مجھ جیسے نااہل کو بھی داخلہ مل گیا۔ اب نفس نے خوب خوشی منائی کہ چلو ایک سال بعد سہی (فاضل دیوبند) کا لقب تو نام کے ساتھ لکھنے کا ذریعہ بن گیا۔ یہ حضرت کی خدمت میں میری ابتدائی حاضری تھی۔

اسباق کی تقسیم پر معلوم ہوا کہ صحیح مسلم شریف آپ پڑھائیں گے۔ اس

سعادت مندی پر تو بہت ہی مسرت ہوئی۔ چنانچہ پورا تعلیمی سال صحیح مسلم کے حلقہ درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں جس طرح حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز اور ان کے تشریف لے جانے پر حضرت مدنیؒ قدس سرہ العزیز حدیث کے بحر ذخار مشہور تھے۔ اسی طرح مولانا محمد ابراہیم اور مولانا رسول خان — قدس سرہما معقولات کے بحرِ موجزن مشہور تھے مگر خوش قسمتی سے اسی سال صحیح مسلم حضرت مولانا رسول خان کو دی گئی اور طحاوی شریف مولانا محمد ابراہیم کو دی گئی۔ اس طرح معقولات سے عاری اس نامعقول کو ان دونوں فقید المثال اساتذہ کی کفش بوسی کا موقع میسر آگیا۔ صحیح مسلم کی کتاب الایمان پڑھاتے ہوئے مجھ جیسے بزانخفش کا بھی ایمان تازہ ہونے لگا۔

آپ کا طریقہ تدریس یہ تھا کہ پہلے حدیث کا خلاصہ بیان فرماتے اور صاحبِ کتاب کے وجہ استدلال کو مشرح فرماکر پھر احناف کی طرف سے روایتؔ اور درایتؔ جواب دیتے۔ سچی بات ہے کہ استدلالِ احناف اور وجوہِ ترجیح کو روایت بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کے طرزِ استدلال سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین میں سے امام بدرالدین عینی شارح بخاری بول رہے ہیں اور یا متاخرین میں سے مہاجر مدنی حضرت مولانا خلیل احمد شارح ابی داؤد ارشاد فرما رہے ہیں اور استدلال میں درایت پر بحث کرتے ہوئے مولانا رسول خان صاحب کا لہجہ امام طحاوی کا رنگ اختیار کر لیتا تھا اور یہی مضمون جب مولانا محمد ابراہیم صاحب طحاوی

کے عنوان ومن وجہ النظر پر لب کشائی فرماتے تو علامہ برہان الدین مرغنیانی صاحب ہدایہ کا روح متکلم نظر آتا تھا۔

حضرت استاذ کا طرزِ استدلال

اگرچہ آپ منقولات کے بھی علامہ فہامہ تھے مگر استدلال میں زیادہ طور سے معقولات کا پہلو نمایاں ہوتا۔ صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے کتاب الایمان کے درس کے دوران فرعون کے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اور منصور کے اَنَا الْحَق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بظاہر فرعون اور منصور کے الفاظ ایک ہی نوعیت کے نظر آتے ہیں مگر فرعون تو ملعون ہے اور منصور کو مقام عزت حاصل ہے۔ اس کا فرق یہ ہے کہ فرعون نے محمول کو موضوع میں فنا کرنے کا دعوےٰ کیا تھا اور منصور نے موضوع کو محمول میں فنا کر دیا۔ پھر خود ہی حضرت نے اس کی تشریح یوں فرمائی کہ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں صرف میں ہی میں ہوں۔ اگر رب بھی کوئی ہے تو وہ بھی میں ہی ہوں مگر منصور کا یہ اقرار اور اعتراف تھا کہ دنیا میں صرف حق ہی حق ہے اگر میں بھی کچھ ہوں تو حق ہی ہوں۔ کس قدر مدلل جواب تھا۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت استاذ کا نظریۂ قرآن فہمی

ایک موقع پر حضرت سے پوچھا گیا کہ دارالعلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں ترجمۃ القرآن الحکیم نہیں رکھا گیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہی بات حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز سے پوچھی گئی تھی تو آپ نے فرمایا کہ:

"درس نظامی میں اس قدر قوت ہے کہ اس کو پڑھ لینے
والا قرآن مجید کو خود بخود اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔"

آپ کے اس ارشاد سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بغیر درس نظامی کی تحصیل کے ترجمۃ القرآن مفید نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت استاذ کا سراپا

آپ نے ہمیشہ اپنا ہزاروی لباس ہی زیب تن رکھا۔ احقر نے حضرت کی جب بھی زیارت کی سر پر صافہ، لمبا کرتہ، پاجامہ اور رومال زیب تن فرماتے تھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلی میں چاندی کی انگشتری بھی زمانہ قیام دار العلوم میں پہنا کرتے تھے۔ جیب کی گھڑی کے ساتھ چین سے منسلکہ قطب نما واسکٹ کے جیب میں رہا کرتی تھی۔ حضرت کی نشست بڑی پروقار ہوا کرتی تھی۔

حضرت کا طرزِ تدریس

آواز میں زیر و بم نہ ہوتا تھا ایک ہی طرز کے ساتھ فصیح اردو میں تلفظ فرماتے۔ آواز میں عجیب کشش ہوتی۔ اگر کوئی شاگرد کچھ پوچھ بیٹھتا اسے سمجھاتے۔ اگر وہ مجھ جیسا غبی، کند ذہن یا سوال برائے ثبوت حیات کرتا تو بڑے پیار سے فرماتے۔ بزاخفش کیا سمجھے۔ آپ کی زبان سے بزاخفش کا لقب سن کر شاگرد کو یوں مسرت ہوتی جس طرح کوئی باپ اپنے نازپروردہ بچے کو بیٹا جی کہہ کر پکارے۔

حضرت کا طرز افہام و تفہیم: حضرت نور اللہ مرقدہ کی آخر تک بھی عادت

رہی کہ کوئی بات سمجھاتے ہوئے نہایت ہی سادہ طریقہ پر جامع اور مختصر طرز اختیار فرماتے۔ لاہور سے واپسی پہ ایک مرتبہ ایبٹ آباد حضرت مولانا محمد اسحٰق مرحوم و مغفور کے حجرہ میں احقر بھی حاضر تھا، تو خطیب نے جرأت کرتے ہوئے حیات النبی کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شہداء کو بھی روحانی حیات حاصل ہے بدنی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

"مَنْ يُّقْتَلُ بدن ہے نہ کہ روح ہے اس لیے مَنْ يُّقْتَلُ پر احیاء کا اطلاق اسی معنی میں آئے گا۔"

حضرتؒ کا تقوے میں امتیازی خصوصی مقام

جب جانشین شیخ الاسلام مولانا محمد اسعد مدنی پاکستان تشریف لائے اور حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم جانشین شیخ التفسیر کے ہاں رات کو دعوتِ طعام میں حضرت بھی تشریف لائے تو حضرت امام الاولیاء لاہوری قدس سرہ العزیز کی مسند پر تشریف فرما تھے، خطاب جاری تھا کہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب جانشین حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کے خطاب کو ریکارڈ کرنے کیلئے ریکارڈ قریب کر دیا تو آپ نے اعراض فرمایا۔ اس پر مولانا مفتی محمود زید مجدہم جو پاس ہی تشریف فرما تھے یہ عرض کیا کہ یہ تو آواز ہے اس کی تصویر نہیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کو بھی درست نہیں سمجھتا۔

الغرض حضرت استاذ کے متعلق کیا کیا عرض کیا جائے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار ‏ ‏ ‏ گل چینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

(ان شاء اللہ کسی وقت صحیح مسلم کی تقریر بھی ناظرین کے پیش کرنیکی سعادت حاصل کروں گا۔ واللہ الموفق)

شیخ المعقول والمنقول استاذنا المحترم حضرت مولانا

علامہ رسول خان صاحب

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

از حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مدظلہ صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

مجھ ناچیز کو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے جو مختصر مواقع ملے وہ حسب ذیل ہیں :—

۱۔ شوال ۱۳۴۸ھ میں راقم الحروف بغرض تعلم دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ شرح جامی، کنز الدقائق وغیرہ کتابیں ہوتی ضلع مردان میں استاد مکرم مولانا قاضی مطیع الدین صاحب مدظلہم سے پڑھ چکا تھا اور اس سے آگے کی کتابیں پڑھنا تھیں۔ اس وقت دارالعلوم میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رح کے بعد درجہ علیا کے مدرس پانچ تھے۔ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب حضرت مولانا رسول خان صاحب رح، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب۔ ان میں سے ہر صاحب کا اپنا مقام تھا اور طلبہ کے دل میں ہر ایک کا بڑا احترام تھا۔

راقم الحروف اس وقت ان اساتذہ میں سے صرف مولانا عبدالسمیع صاحب کا شرفِ تلمذ حاصل کر سکا جن سے میں نے تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی پڑھی امیرے اس وقت کے اساتذہ میں سے صرف مولانا

اختر حسین صاحب ابن مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم بقید حیات ہیں) دوسرے اکابر اساتذہ کی خدمت میں حاضری دینے کی جرأت میں نہ کرسکا۔ حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کے درسِ مسلم کا تذکرہ ان دنوں طلبہ بڑے احترام سے کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے سالانہ امتحان میں تلخیص کا زبانی امتحان راقم الحروف کی جماعت سے لیا۔ وقار اور کم گوئی کی وجہ سے اس وقت تو کچھ اظہار نہیں فرمایا مگر صاحبزادہ محمد عمران صاحب نے مجھے بتایا کہ گھر پر تمہاری تعریف کی۔

اس کے بعد ۵۳ھ تک حضرت مولانا کے ساتھ رابطہ رکھنے کا کوئی دوسرا موقع نہ مل سکا (اساتذہ کے مکان پر حاضری دینے کی جرأت میں نے نہیں کی۔ اور کوئی سبق ان سے متعلق نہیں تھا۔)

۱۳۵۳ھ میں مناظرہ رشیدیہ کا درس دینا حضرت استاذؒ نے منظور کیا تو میں بھی اس جماعت میں شریک ہوا۔ چند ہی اسباق پڑھے تھے اور یاد ہے کہ میری استعداد حضرت استاذؒ کے مطالب عالیہ سے استفادہ کرنے کے معیار پر نہ تھی۔ فان الاخبار بذلک عین الحمد کی تشریح ایک ہفتہ تک ہوتی رہی اور ضمناً کلامی ھذا کاذب کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں اور میری طرح کے بہت سے تلامذہ تبرکاً شریکِ درس رہے موضوع کے "مالہٗ وما علیہ" کو غالباً دو تین افراد ہی سمجھ سکتے تھے مگر چند ہی دن کے بعد حضرت استاذ دارالعلوم کو چھوڑ کر اورنٹیل کالج لاہور چلے آئے۔ اورنٹیل کالج سے مولانا نجم الدین صاحب

مدت ملازمت پوری کر کے سبکدوش ہو گئے، انہوں نے ہی حضرت مولانا رسول خاں صاحب کو اس امر پر آمادہ کیا تھا کہ وہ اس علمی منصب کو سنبھال لیں)

۲۔ حضرت استاد مرحوم و مغفور کے ساتھ رابطہ کا دوسرا موقع اورنٹیل کالج لاہور میں ہاتھ آیا۔ ۱۳۵۷ھ - ۱۳۶۱ھ کے دوران راقم الحروف کو بطور ریسرچ سٹوڈنٹ اور عارضی استاد کے کئی مرتبہ اورنٹیل کالج کے ساتھ وابستگی رہی۔ اس دوران میں حضرت استاد کے مکان پر حاضری دیا کرتا تھا۔ حضرت استاد ان دنوں لوہاری دروازہ کے اور مسجد پٹولیاں کے قریب ہی ایک مکان میں رہائش پذیر تھے۔ صاحبزادہ محمد غفران کے ساتھ ہوتے تھے۔ صبح اورنٹیل کالج آتے۔ اپنے درس کے کمرہ میں ہی پہنچتے اور درس دے کر واپس ہوتے۔ وقار کی بنا پر ادھر ادھر آنا جانا نہ ہوتا تھا۔

طلبہ پر ان کے وقار اور ان کی سادگی دونوں کا بڑا اثر تھا مگر وقار کا اثر تھا اور وقار سے زیادہ تبحر علمی کا کہ اورنٹیل کالج کے طلبہ جو عموماً کم استعداد ہوتے تھے۔ حضرت سے فارغ اوقات میں کچھ استفادہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ راقم الحروف کو پنجاب یونیورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی میں ایک مقالہ پڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے "پشتو ادب" پر ایک مقالہ پڑھا۔ اس مجلس کی صدارت میری درخواست پر حضرت

مولاناؒ نے فرمائی (حالانکہ وہ عموماً ایسی مجالس میں شرکت نہیں فرمایا کرتے تھے)، حضرت نے اس وقت کچھ اس طرح کے صدارتی کلمات ارشاد فرمائے:۔

"قومیت کی بنیادیں چار ہیں۔ زبان، مذہب، نسل اور وطن افغانوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں یہ چاروں عناصر یک جا پائی جاتی ہیں۔ ان کی زبان بھی ایک ہے یعنی پشتو، علاقہ بھی ایک ہے۔ مذہب بھی ایک ہے اور نسل بھی ایک ہے۔"

(پھر اس موضوع پر پندرہ بیس منٹ تک ارشادات فرماتے رہے)

۴۔ حضرت سے رابطہ کا ایک تیسرا موقع نصیب ہوا کہ ۱۳۸۱ھ میں حضرت حج پر تشریف لے گئے تھے۔ اتفاقاً اس سال میں نے بھی حاضری دی تھی۔ مجھے یہ علم نہیں کہ اس سے پہلے حضرت نے یہ فریضہ ادا کیا تھا یا نہیں۔ بہرحال حضرت کی نیکی، تبحر اور وقار کا اثر دل پر تھا اور میرے دل میں حضرت کے لیے بارہا یہ تمنا رکھی تھی کہ حضرت فریضۂ حج ادا کریں ان کی خدمت میں اس تمنا کے ذکر کی جرأت میں نہ کر سکا تھا۔ حج کے موقع پر ان کی زیارت ہوئی تو دل باغ باغ ہوا۔ دو ایک بار ایسا ہوا کہ میں مسجد حرام میں بیٹھا ہوں اور حضرت طواف فرما رہے ہیں۔ اس وقت حضرت کی رفتار میں شکوہ و جمال کے اجزا، اس طرح خوبصورتی سے پروئے ہوئے نظر آئے کہ اس وقت کی حسین تصویر تا حال آنکھوں کے سامنے ہے۔ مدرسہ صولتیہ میں حضرت کا قیام تھا اور

میں محلہ اجیاد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ قیام گاہ پر بھی حاضری دی لیکن زیادہ تر حرم میں ہی دور ہی سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت کا سفر ہوائی تھا۔ اس لیے انہوں نے جلد مراجعت فرمائی۔

۴۔ حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف ۱۳۶۱ھ کے بعد زمانۂ وصال تک کے عرصہ میں متعدد بار نصیب ہوا۔ ہر دفعہ بہت اچھی دعائیں فرمایا کرتے اور نصیحتیں کیا کرتے۔ ایک مجلس کے نصائح حسب ذیل ہیں:۔

"قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ شغف پیدا کرنا چاہیئے، جس قدر ہو سکے فہم کے ساتھ اس وقت تک تلاوت کیا کرو، جب تک نشاط ہو۔ نشاط ختم ہو جائے تو تلاوت موقوف کرو۔"

راقم الحروف نے عرض کی کہ بیعت کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کم ہمتی ہے۔ میں خدمت کرنے میں ہمیشہ مقصّر رہا ہوں۔ اس لیے یہ ڈر ہے کہ بیعت کرنے کے بعد حقِ خدمت ادا نہ کر سکوں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا

"بیعت کا مقصد خدمت نہیں اصلاحِ نفس ہے۔"

فرمایا:۔

"اعمالِ صالحہ کی نیت ہونا چاہیئے۔ اس کا اثر اعمال پر ضرور پڑتا ہے۔ بشرطیکہ نیت صادق ہو اور اعمال پر اثر نیت کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔"

فرمایا:۔

"بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وقت بڑی نعمت ہے اس کی

قدر کرنا چاہیئے"

علوم عقلیہ کے ساتھ حضرت کو ہمیشہ شغف رہا۔ دینی علوم کے عقلی پہلو کا مطالعہ بہت کیا کرتے تھے۔ جن دنوں حضرت لوہاری دروازہ میں ہوتے تھے۔ عموماً شرح مواقف اور کشف الاسرار کے مطالعہ میں مصروف رہتے اور جب وفات سے چند مہینے پہلے راقم الحروف خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے پایا کہ موجودہ زمانے میں لوگ علوم عقلیہ سے بے بہرہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ فلسفہ کی ادنی کتاب (شرح ہدایۃ الحکمۃ) یبنذی کے فہم کی بھی صلاحیت) نہیں رہی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آخری دنوں میں حضرتؒ کے نواسے محمد شفیق الرحمان صاحب حضرت کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرتؒ کو ان کے ساتھ بڑی شفقت تھی۔ غالباً کچھ گھریلو اسباب اور بھی ایسے تھے جن کی بنا پر حضرتؒ ان کی طرف خصوصی توجہ تھی۔ آج کل جامعہ اشرفیہ میں وہ بطور طالب علم مقیم ہیں اور حضرتؒ کی یادگار ہیں۔

شیخ المحدثین و المفسرین جامع المعقول و المنقول استاذ الکل

حضرت مولانا محمد رسول خان نور اللہ مرقدہٗ

از حضرت مولانا حافظ محمد عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

"ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"

میری انتہائی خوش قسمتی اور سعادت تھی کہ استاذ الکل مولانا محمد رسول خان نور اللہ مرقدہٗ سے مجھے تین طرح کا تعلق رہا اور ہر تعلق میں میں نے حضرت قدس سرہٗ کو بے نظیر پایا۔

۱۔ حضرتؒ بحیثیتِ استاذ

سن انچاس علیسوی میں جب کہ حضرت اورنٹیل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ میں ان دنوں جامعہ اشرفیہ میں مدرس تھا۔ والدِ مرحوم نے ایک دن بلا کر مجھے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب یہاں قریب ہی رہتے ہیں۔ اپنے فن کے امام ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کم از کم ایک کتاب ہی حضرتؒ سے اگر پڑھ لو تو تمہارے لیے علاوہ سعادت کے انتہائی مفید بھی ہو گا۔ والد مرحوم کی ترغیب کے بعد میں ایک دن حضرت کے مکان پرانی انار کلی، میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ والد صاحب کی تمنا اور میری خواہش ہے کہ حضرت ایک کتاب جو بھی مناسب ہو، میرے لیے تجویز فرمائیں۔ قلتِ وقت، شدید مصروفیت او، میری نا اہلی کے باوجود

حضرتؒ نے کمالِ شفقت سے منظور فرمالیا اور فرمایا کہ کل سے بعد از نماز عصر آجایا کرو۔ حضرتؒ کی اجازت سے جو خوشی مجھے اس وقت حاصل ہوئی اس کا اندازہ آج تک محسوس ہوتا ہے۔ گھر میں آیا تو والد صاحب سے پورا ماجرا عرض کیا، بہت خوش ہوئے اور فرطِ مسرت میں فرمایا کہ تم واقعی انتہائی خوش قسمت ہو۔ والد مرحوم چونکہ خود ایک جیّد عالم تھے اسی لیے اہلِ علم کے انتہائی قدر دان اور قدر شناس تھے۔

دوسرے دن میں حسب الحکم سلّم العلوم لے کر وقتِ مقررہ پر حاضرِ خدمت ہو گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب شروع کرانے کے بعد فرمایا کہ مسائلِ فن کے اعتبار سے قطبی کا جو درجہ ہے، وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں" اور فرمایا، "میں تو قطبی کو منطق کا فتاویٰ سمجھتا ہوں ہاں سلّم کو وسعت نظر، ذہن اور فکر کو جلا بخشنے میں ایک خاص درجہ ہے۔ تم چونکہ مدرس ہو۔ مسائل تو تمہیں مستحضر ہوں گے اسی لیے میں نے تمہارے لیے سلّم تجویز کی ہے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حسنِ ظن تھا ورنہ مسائلِ فن کا استحضار نہ اس وقت تھا نہ آج ہے۔ حضرت الاستاذ قدس سرہٗ نے اولاً سلّم اور پھر قاضی مبارک جس انداز سے پڑھائی اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی حضرت کے اسباق میں شرکت کی ہو۔ اس کے بغیر اس کا تصور ہی مشکل ہے

حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے درس کی ایک خاص بات جو میں نے خاص طور پر محسوس کی اور جسے میں نے اپنے لیے مشعلِ راہ بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ حضرتؒ طویل اور دقیق مضامین کو مختصر اور آسان اسلوب میں ایسے جامع اور مرتب انداز سے ذہن نشین کراتے تھے جس کے بعد ہر طالب علم یوں محسوس کرتا تھا ؎

"گویا یہ ہی میرے دل میں تھا"

یہ انداز میں نے بہت کم اساتذہ میں دیکھا۔ دراصل اس اسلوب اور انداز کو وہی حضرات اپنا سکتے ہیں جن کی وسعتِ نظر اس فن کے تمام مبادیات اور اس کے سیاق و سباق پر حاوی ہو اور جو اپنے مافی الضمیر کو طلبہ کے ذوق کے مطابق مرتب انداز میں بیان کر سکنے میں پوری طرح قادر ہوں۔ والد مرحوم کی دلی خواہش اور تمنا تھی بلکہ کاوش کی حد تک کوشش بھی تھی کہ حضرت الاستاذ کو کسی نہ کسی طرح جامعہ اشرفیہ لایا جاوے۔ اورنٹیل کالج سے فراغت کے بعد حق تعالیٰ نے والدِ مرحوم کی اس دیرینہ آرزو کو پورا فرمایا اور حضرت الاستاذ جامعہ میں بحیثیتِ استاذ الحدیث والفنون تشریف لے آئے اور آخری لمحات تک جامعہ ہی سے وابستہ رہے اور تقریباً بیس سال تک جامعہ میں اپنے مخصوص انداز میں معقولات اور منقولات کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی دوران احقر بھی حضرت کے درسِ حدیث میں حاضر ہوتا رہا۔ درس حدیث میں بیٹھ کر محسوس ہوا کہ حضرت صرف معقولات ہی کے

امام نہیں بلکہ منقولات میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور بجا طور پر جامع المعقولات والمنقولات ہیں۔ ترمذی شریف کے درس میں حضرت الاستاذؒ مذاہب اربعہ کے مسائل، ان کے دلائل اور ترجیحات پر جس انداز سے بحث فرماتے تھے اس سے آپ کی قوتِ حافظہ، وسعتِ فکر اور دقتِ نظر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا۔ حضرت ہی کے درس سے یہ نکتہ واضح ہوا کہ جب معقول کی تائید کسی منقول شرعی سے نہ ہو وہ نامعقول ہے۔ بہر حال نقلِ صحیح کو اصل اور عقلِ سلیم کو تابع بنا کر جس انداز اور امتزاج سے آپ درس حدیث دیتے تھے اس کا صحیح اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جو حضرت کے درسِ حدیث میں کبھی بیٹھے ہوں

"تا نچشی نہ رسی"

مجھے بحمد اللہ اکابر اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ جیسے:۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مدظلہ اور

والد مرحوم حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

ان اساتذہ میں بحمد اللہ ہر ایک علم اور عمل کے درخشندہ آفتاب تھے اور ہیں مگر مصداق:۔

ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ اور ہی تھا۔

۲۔ حضرت بحیثیتِ استاذ جامعہ

والدِ مرحوم بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مفتی محمد حسن نوّر اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد بعض مصالح کی وجہ سے جامعہ کے اہتمام کا بار ہمہ جہتی نااہلی کے باوجود میرے ناتواں کاندھے پر ڈال دیا گیا۔ اس وقت سے حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے ساتھ ایک نیا تعلق بحیثیت منتظم اور مہتمم کے شروع ہوا اور کم و بیش بارہ تیرہ سال تک باقی رہا تا آں کہ حضرت الاستاذ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس تعلق کی نزاکت کا اندازہ آپ اس طرح فرمائیں۔ ایک طرف ہر لحاظ سے کامل ترین استاذ الکل اور دوسری طرف ہر طرح سے نالائق ترین شاگرد۔ اس نازک تعلق کے ہوتے ہوئے بظاہر نباہ اور اتنے طویل عرصے تک نہ صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے اتنے ممتد، طویل اور متلون حالات کے باوجود ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جس کی وجہ سے اس نازک ترین تعلق پر کچھ اثر پڑا ہو۔ حضرت رح کی زندگی میں کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا لیکن حضرت کی وفات کے بعد میں نے سوچا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس کی وجہ حضرت الاستاذ کی فطری تواضع اور شفقتِ کاملہ تھی جس نے اس طرف کی "ہر خطا" کو اس طرف کی "بے پایاں عطا" سے محو کر دیا تھا۔ بعض اوقات میں

نے حضرتؒ سے بعض ایسی گزارشات بھی کیں جو بظاہر حضرت قدس سرہ کے منصب کے مناسب نہ تھیں مگر حضرت نے ایک مرتبہ بھی اور ایک لمحہ کے لیے مجھے اس کا احساس نہ ہونے دیا کہ یہ کوئی نامناسب گزارش تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ کے بے پایاں اور مسلسل کرم نوازی نے مجھے گستاخی کی حد تک بے باک کر دیا تھا۔ اسی لیے میں غیر شعوری طور پر کچھ ایسی معروضات بھی حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا جو عام حالات میں نامناسب بلکہ بے جا بھی تھیں۔

جامعہ کے اہتمام اور انصرام کے سلسلے میں بسا اوقات کچھ داخلی اور خارجی ایسے الجھاؤ بھی پیدا ہو جاتے تھے جس سے میں پریشان سا ہو جاتا تھا مگر حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی توجہ اور مفید اور برمحل مشورہ سے مشکل الجھن سلجھ جاتی تھی۔ دراصل حضرت الاستاذ قدس سرہٗ جامعہ، اس کے مسائل اور مجھے بکمال شفقت اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے تھے۔ ہماری کامیابی کو اپنی کامیابی اور ہماری مشکلات کو اپنی مشکلات تصور فرماتے تھے۔

۳۔ حضرت بحیثیت جارِ صالح

جامعہ نے اکابر اساتذہ بلکہ اکثر اساتذہ کے لیے رہائش کا انتظام جامعہ کے احاطہ کے اندر ہی کر رکھا ہے۔ میری سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کا مکان میرے مکان سے متصل اور دیوار سے دیوار تک ملی ہوئی تھی۔ سالہا سال تک ساتھ رہنے

کے باوجود ایک مرتبہ بھی کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس کی وجہ سے مجھے یا کسی اور ہمسایہ کو شکایت کا موقعہ مل سکے۔ اس کے برعکس میرے بچوں کی وجہ سے لبسا اوقات حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کو ناگوار اور تکلیف دہ معاملات بھی پیش آئے مگر حضرت نے پورے تحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے بُرے جار کے ساتھ بھی اچھے جار کا برتاؤ فرمایا۔

مجھ سے بعض اوقات حق جوار کے سلسلہ میں بعض کوتاہیاں بھی ہوتی رہیں مگر حضرتؒ پورے التزام کے ساتھ ان تمام حقوق کو ادا فرماتے رہے جو ایک اچھے جار کے لیے مناسب حال تھے۔ میرے گھر میں اگر کوئی بچہ یا باہر سے آیا ہوا کوئی مہمان بھی اگر بیمار ہو گیا، مجھے یاد نہیں کہ حضرت قدس سرہٗ اس کی عیادت اور بیمار پرسی کو تشریف نہ لائے ہوں یہی معمول سالہا سال رہا اور کبھی اس میں حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی طرف سے تخلف نہیں ہوا۔

میرے نزدیک اچھے جار کی تعریف یہی ہے۔ طویل رفاقت کے باوجود نہ کسی کو شکایت کا موقعہ دیا ہو نہ کسی کی شکایت کی ہو۔ اس کی عملی صورت ہمارے استاذ قدس سرہٗ تھے۔

المختصر مجھے حضرت کو ہر لحاظ سے یعنی بحیثیت شاگرد، بحیثیت منتظم اور مہتمم، بحیثیت جار کئی سال تک قریب سے دیکھنے کا موقعہ میسر آیا۔ میں نے بحمد اللہ کسی لحاظ سے بھی حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کو ایسا نہ پایا جہاں انگلی رکھ سکوں۔ ہر لحاظ سے کامل، اعلیٰ اور ارفع ہی پایا۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر "لذیذ تر حکایت" کا مصداق ہے اور اسی مناسبت سے اسے دراز تر ہونا چاہیئے مگر بوجہ علالت اور دیگر عوارض، اس کو سمیٹتے ہوئے آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا۔

ع "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ فِیْ عِلِّیِّیْنَ اٰمین

۱۵؍اگست ۷۳ء

از مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہ
مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

حادثۂ عظیمہ

حضرت اقدس کا وطنِ عزیز ضلع ہزارہ میں موضع اچھڑیاں تھا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور وہیں تدریسی فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔ ہمیشہ معقولات وغیرہ کی مشکل و بلند پایہ کتابیں زیرِ تدریس رہیں۔

آپ نے بارہا اس امر کا اظہار فرمایا کہ میں نے شیخ الہند اسیرِ مالٹا حضرت مولانا محمود حسن صاحب (خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ اسرارہما) سے بہت کتابیں پڑھی تھیں۔

اس دفعہ جامعہ مدنیہ میں ایک امتحان کے موقعہ پر (۱۱ رجب، ۱۳ ستمبر کو) جب تشریف لائے تو حضرت مولانا کو اسی کمرے میں بٹھایا گیا جس کی بنیاد دو سال پہلے حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے دفترِ اہتمام کے لیے رکھی تھی۔ جب امتحان سے فارغ ہو کر تشریف فرما ہوئے تو اس وقت پھر اسی قسم کی گفتگو چل نکلی اور حضرت نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی وجد آفریں انداز میں تعریف شروع کر دی اور فرمایا کہ میں نے توضیح تلویح بیضاوی اور بہت سی کتابیں حضرت سے پڑھی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث شریف تو پڑھی ہی تھی۔



حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب کی آخری آرام گاہ واقع اچھڑیاں (ہزارہ)

انجام دیتے رہے۔ اس لیے اس زمانہ میں علم حاصل کرنے والے طلبہ آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہو گئے اور آپ کے وہاں موجود نہ رہنے کے باوجود دارالعلوم میں آپ کا نام روشن رہا۔

آپ کے ہم پلہ اور ہم عصر ساتھیوں میں حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم و مغفور (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) تھے۔ حضرت مولانا ابراہیم کو فلسفہ میں بلند مقام حاصل تھا اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب کا منطق میں اعلیٰ مقام شمار ہوتا تھا۔ حضرت علامہ بلیاوی بجز چند سال کے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور اب سے چار سال پیشتر رمضان المبارک میں بعمر ۹۵ سال دیوبند ہی میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بھی سو سال کے لگ بھگ تھی۔ مجھے دارالعلوم دیوبند میں موجود بعض اکابر سے حضرت کی عمر کے بارے سوال کا اتفاق ہوا اور خود حضرت مولانا رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دریافت کیا تو دونوں ہی حضرات کی باتیں ملتی جلتی پائیں۔

اب اس زمانہ میں چند ہی ہستیاں ایسی ہوں گی جنہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ یا زیادہ فیض حاصل کیا ہو۔ ان میں سے ایک حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہم کی ذاتِ گرامی ہے جو اپنے وطن سخاکوٹ (مالاکنڈ ایجنسی) میں رونق افروز ہیں وہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کی طرح مالٹہ میں بھی پانچ سال قید

رہے اور اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے وجود مسعود کو صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر قائم رکھے۔ آمین۔

کچھ حدیث شریف کا فیض حاصل کرنے والوں میں حضرت مولانا شریف اللہ خاں صاحب مدظلہم بھی ہیں جو فتحپوری دہلی میں عرصہ تک صدر مدرس رہے ہیں اور آج کل جامعہ مدنیہ میں مدرس حدیث ہیں۔ مدّاللہ ظلہٗ۔ ان دو حضرات کے علاوہ میرے علم میں تیسری ایسی شخصیت نہیں ہے جس نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کیا ہو۔

حضرت مولانا رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ علمی اعتبار سے اس قدر بلند پایہ اور صحیح معنے میں شیخ المحدثین والمفسرین تھے، لیکن درختِ ثمردار کی طرح حقیقی تواضع کے وصفِ عالی سے بھی متصف تھے۔ اپنے قدیم شاگردوں کے ساتھ اس درجہ تواضع و انکساری سے پیش آتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ قدیم شاگردوں کے بارے میں تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود بھی بڑھاپے کو پہنچ گئے اور بڑے استاد ہو گئے ہیں مگر مولانا تو نئے نئے شاگردوں سے بھی اسی قدر تواضع و انکساری سے پیش آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی آپ پر تواضع کا غلبہ ہوتا گیا اور جس قدر تواضع غالب ہوئی اسی قدر مزید بلندیاں بارگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئیں۔ سچ ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ

آخر میں ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۵۵ء سے آپ جامعہ اشرفیہ سے منسلک ہو گئے۔ پہلے معقولات کی کتابیں قاضی وغیرہ پڑھاتے رہے۔

بعد میں ترمذی شریف آخر تک زیر درس رہی۔ آپ کو بیعت و اجازت
حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز سے حاصل
تھی۔ صرف تین دن کی علالت رہی۔ نمونیہ کا حملہ ہوا۔ پہلے دن آپ نے
کھڑے ہو کر ہی نمازیں ادا فرمائیں۔ دوسرے اور تیسرے دن غفلت کی
کیفیت طاری رہی، مگر نماز کے وقت نماز کا پورا ہوش آجاتا تھا اور بیٹھ کر نماز
ادا فرماتے تھے، کوئی بھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آپ
کی کرامت تھی۔ وفات کے وقت پھر ہوش آیا۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع
کی اور اپنے ایک عزیز سے فرمایا کہ تم بھی سورۂ یٰسین پڑھو تمہارے ساتھ
میں بھی پڑھتا رہوں گا تاکہ کہیں غلطی یا مجبول نہ ہو۔ اسی طرح تلاوت سماعت
فرمارہے تھے کہ وفات ہو گئی۔ تغمدہ اللہ و ایانا برحمتہ و رضوانہ آمین

نہایت مشفق استاذؒ

از حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور

حضرت سے مجھے دار العلوم دیو بند میں تین چار سال کے شرف تلمذ کے علاوہ قیام لاہور کے زمانہ میں تقریباً بارہ تیرہ سال از ۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۱ء بارہا شرفِ ملاقات رہا۔ دیر دیر تک حضور کی مبارک مجلس میں بوریا نشین ہو کر استفاضہ ہوا۔ نصیحتیں حاصل کیں اور دعائیں لیں۔ حضرت بڑے ہی مشفق و مہربان شیخ تھے اور نہایت ہی بندہ نواز تھے۔ مجھ جیسے ایک ادنیٰ تلمیذ اور خادم کے متعلق عام طلبہ میں میری عدم موجودگی میں تعریفی و توصیفی کلمات فرماتے رہتے تھے اور بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر میں اس وقت اس شفقتِ عظیمہ کی صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ میں جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں صدر مدرس تھا اور اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ حضرت سے سلسلہ ملاقات و استفادہ جاری تھا۔ ایک دن از خود اشارہ فرمایا کہ تم مدرسہ کے اوقات کے بعد اورنٹیل کالج میں فاضل عربی کلاس کو بیضاوی وغیرہ پڑھاؤ گے؟ تمہارا مشاہرہ کم ہے۔ اس طرح علمی فائدہ کے علاوہ کچھ مالی فائدہ بھی ہو جائے گا۔

عرض کیا کہ حضرت میں کالج تک پہنچنے کے وسائل نہیں رکھتا۔ ارشاد ہوا، یہ بتلاؤ، پڑھاؤ گے ؟ عرض کیا حضور! اگر جناب کی دعا شاملِ حال رہی اور موقع مل گیا تو پڑھاؤں گا اور ان شاء اللہ محنت کر کے خوب پڑھاؤں گا۔ میرے اس جواب پر حضرت بڑے مسرور ہوئے اور پھر فرمایا ان شاء اللہ ضرور موقع ملے گا۔ چنانچہ بہت جلد ہی میری کسی درخواست اور جد و جہد کے بغیر پارٹ ٹائم پر مجھے کالج میں ۱۰ روپے یومیہ فی پیریڈ مقرر کر دیا گیا اور تقریباً ایک سال ۱۲ بجے اور ۱/۲ ۱ بجے کے درمیان میں یہ ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔

۲۔ بتاریخ ۲۸ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۷۰ء برخوردار عزیز قاضی حسام الرحمان۔ ایس۔ ڈی۔ او سلمہٗ کی بارات موضع مٹھیلہ ہری پور ہزارہ سے لاہور اچھرہ روانہ ہوئی۔ بعد از مغرب عقد نکاح ہونا تھا۔ تمنا یہ تھی کہ تبرکاً اس مقصد کے لیے حضرتؒ کو تکلیف دی جائے گی، اور حضرت سے وعدہ بھی لیا ہوا تھا مگر طویل راستہ کی تھکاوٹ اور کچھ دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے پریشان تھا کہ آپ کی خدمت میں کیسے جاؤں یا اور کس کو آپ کی خدمت میں بھیجوں ؟ کہ قدرت نے یاوری فرمائی۔ اچانک محترم مولانا محمد عارف صاحب ہزاروی فاضل عربی، ایم اے (اسلامیات۔ عربی، اردو، فارسی) ایم۔ او۔ ایل حسب دعوت بارات میں شمولیت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھتے ہی میری مسرت کی انتہا نہ رہی اور پریشانی کا قلع قمع ہوا۔ ان سے

درخواست کی کہ آپ یہ کام کریں کہ فوراً حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور یہ عرض کریں کہ حضرت فلاں ناچیز کے فرزند کے عقدِ نکاح کی دعوت تو پہلے ہو چکی ہے۔ یاد دہانی اور حضرت کو لے جانے کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔ کار کھڑی ہے۔ باوجودیکہ آپ علیل تھے، کمزوری بہت زیادہ تھی اور گلے کی تکلیف کی وجہ سے گفتگو کرنے میں کلفت ہوتی تھی مگر شفقت اور بندہ پروری کی بنا پر جناب فوراً مولانا محمد عارف صاحب کے ہمراہ تشریف لائے۔ سیڑھیوں پر احقر اور مولانا محمد عارف صاحب نے پکڑ کر چڑھایا اور حضرت نے ضعیف اور پست مگر بابرکت و باعظمت آواز سے ایجاب و قبول کروایا اور خطبہ مسنونہ پڑھا۔ لوگ حیران تھے کہ اس ضعف و کمزوری کے باوجود اس حالت میں آپ کیسے تشریف لائے۔ ہزارہ والے باراتی مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ میں نے انہیں مفہوم سمجھا کر بتلایا کہ یہ استاذ الکل فی الکل اور استاذ الاساتذہ فی المعقول والمنقول باپ کی طرح میرے مشفق استاد ہیں اور یہ شفقت و محبت کا اثر ہے کہ حضرت نے اپنے ایک ادنیٰ خادم کی رضا کے لیے بلکہ رضاءِ الٰہی کے پیشِ نظر اپنی تکالیف اپنی کمزوری، اپنی علالت کسی چیز کا خیال نہ فرمایا۔ فجزاھم اللہ عنا جزاءً حسناً دائماً جزاءً لا یحصٰی۔ آمین

اگر میں اس موقع پر فرزدق کا یہ شعر تمثیلاً پیش کروں، ۔

سہ اولٰئک اٰباءی فجئنی بمثلہم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تو بے جا نہ ہوگا ——— !

حضرتؒ کے درسی اور مجلسی ملفوظات میں عجیب وغریب علمی نکات ہوتے تھے۔ اگر حافظہ پر زور دیا جائے تو بہت کچھ یاد آسکتا ہے مگر ایک تو طوالت نویسی کی عادت نہیں۔ دوسرا میں اس وقت کئی دن سے علیل ہوں ایک پھوڑا ہے جس کی وجہ سے بخار بھی ہو جاتا ہے۔ دردِ سر مزید برآں اتنا لکھنے کی ہی امید نہ تھی مگر عزیزم قاری حافظ فیوض الرحمان سلمہٗ کے اصرار پر آج قلم لے کر بیٹھا تو بفضلہ تعالیٰ حضرتؒ کے خیال میں استغراق کی برکت اور آپ کی فرمائش سے کوئی تکلیف نہیں محسوس کی۔

حضرت الشیخ (اعلی اللہ مقاماتہ فی بحبوحۃ الجنان) کا صرف ایک علمی لطیفہ درج کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں جس سے ان شاء اللہ العزیز تحصیل علم منطق کا شوق رکھنے والوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ کل علم منطق کا خلاصہ پیش نظر آئے گا اور آسانی سے یاد بھی رہے گا۔

کم فہم بلید الطبع، غلط یا بے محل یا غیر متعلق بات کرنے والوں کے بارہ میں آپ کا بزاخفش والا مقولہ تو زبان زدِ خلائق ہے۔ اس کی مناسبت سے درج ذیل لطیفہ تحریر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"بزاخفش لوگ نہ معلوم علم منطق کو کیوں برا کہتے ہیں۔ اس میں کون سی بات ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ فلسفہ میں

تو خلافِ شرع باتیں ہیں۔ ان کی خوب تردید کرنی چاہیے اور طلباء کے ذہن نشین کرنا چاہیے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔ نہ صرف خلاف شرع ہیں بلکہ خلافِ عقل بھی ہیں اور پھر عقلی دلائل سے ان کی تغلیط کرنی چاہیے (چنانچہ حضرت مرحوم ایسا ہی کرتے تھے) مگر میں حیران ہوں کہ بزاخفش علم منطق کے کیوں خلاف ہیں ؟ دراصل منطق جانتے نہیں اور "الناس اعداء لما جہلوا" کے مطابق اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ علم منطق تو تحصیل المجہول من المعلوم کا طریقہ بتلاتا ہے اور تحصیل علم اور خروج عن الجہل شئی ممدوح ہے۔ اس کی مخالفت کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے"۔

فرماتے تھے :۔

"کل علم منطق میں مباحثِ مقصودہ صرف دو ہیں :۔

۱۔ معرف (قول شارح) ۲۔ قیاس

(۱) قولِ شارح اور معرف کی بحث کلیاتِ خمسہ پر موقوف ہے اس لیے تصورات میں قول شارح سے قبل کلیات خمسہ کی ابحاث ہوتی ہیں۔ اور کلی چونکہ مفہوم کی قسم ہے جس پر لفظ دال ہوتا ہے، اس لیے کتب منطق کی ابتداء میں لفظ مفرد اور مرکب اور دلالات کی ابحاث ہوتی ہیں۔ پھر کلیات کی مدد سے معرف اور قول شارح کے اقسام۔ حد تام، حد ناقص۔ اسم تام۔ اسم ناقص بیان کیے جاتے ہیں اور ان اقسام کے ذریعہ سے بتلایا جاتا ہے کہ مجہول تصوری کو

معلوم تصوری سے کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) قیاس اقترانی اور حملی ہو یا استثنائی۔ برہان ہو یا استقراء یا تمثیل موقوف ہے قضایا پر۔ اس لیے قیاس کی بحث سے قبل قضیہ کی تعریف اور اس کی تقسیمات بیان ہوتی ہیں۔ پھر قضایا کے احکام۔ بحث تناقض، عکس مستوی، عکس نقیض، وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ ان مبادی سے فراغت کے بعد مقصد ثانی کا بیان ہوتا ہے جس میں مجہول تصدیقی کو معلوم تصدیقی سے حاصل کرنے کے طرق بیان کیے جاتے ہیں۔ الحاصل علم منطق میں مجہول تصوری اور مجہول تصدیقی کو معلوم تصوری اور معلوم تصدیقی سے معلوم کرنے کے طرق بتلائے جاتے ہیں۔ اب بتلاؤ! اس میں خرابی کونسی ہے کہ بزاخفش لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟

کتبہٗ بندہ حبیب الرحمان غفرلہٗ ہزاروی۔
کملابٹ ٹاؤن شپ سیکٹر نمبر ا نزد ٹینکی نمبر ا ہری پور ہزارہ
۲ راگست ۱۹۷۳ء
رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

از مولانا محمد موسیٰ ـــــ روحانی بازی

۱۵، رجب المرجب سنہ ۱۳۹۳ھ

حضرت العلامہ مولانا محمد رسول خان رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت العلامہ مولانا مخدوم محمد رسول خان رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہٗ سابق شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور جامع صفات کاملہ ومجموعۂ کمالاتِ فائقہ تھے ان کی نظیر مشکل سے اس زمانہ میں کسی نے دیکھی ہوگی۔

ان کی زندگی کا ایک ایک شعبہ رشد وہدایت کی شمع تھا۔ وہ جامع علوم بحرِ فنون، محقق، مدقق، مجتہد منطق، صاحب مکارم اخلاق تھے۔ متواضع، منکسر المزاج مگر بارعب، نورانی چہرہ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ کا مکمل نمونہ، عابد، زاہد، نور مشائخ، سید اولیاء، متانت طبع وکشادہ روئی کے ساتھ بسا اوقات لبوں پر قدرتی تبسم، بس اس حدیث نبوی کا واضح مصداق من مکارم الاخلاق ان تلقی اخاک بوجہ طلق بڑوں کی بے حد تعظیم کرنے والے اور چھوٹوں پر رحمت وشفقت کرنے اور ان کی ہمت افزائی بلکہ بڑا اظہار کرنے والے۔

مکرم ومجد حضرت مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مجدہم کے حکم کی تعمیل میں اس نابغہ عصر مولانا محمد رسول خان رحمہ اللہ کی درخشندہ زندگی سے متعلق

چند کوائف و احوال پیش کرتا ہوں۔ شاید یہ احوال کسی پڑھنے اور ان پر عمل کرنے والے کی زندگی میں انقلاب کا باعث ہو جائیں۔

۱۔ بعض ثقہ علماء کی روایت ہے۔ میں نے خود یہ روایت ان سے سنی ہے کہ مولانا مرحوم جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ اس وقت مولانا الامام الحجۃ شیخ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس تھے۔ مولانا محمد انور شاہؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

"میرے پاس دیوبند کا ہر مدرس کتابوں کے مغلق مقامات اور مشکل مسائل حل کرنے کے لیے آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں مگر یہ مولانا محمد رسول خانؒ میرے پاس پوچھنے کے لیے نہیں آیا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رسول خاں مرحوم کتب و مسائل پر اتنے حاوی تھے کہ حلِ مشکلات و فتحِ مغلقات میں انہیں کسی غیر کے تعاون کی حاجت نہ تھی۔

۲۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مرحوم کا منطقی درس بڑا مشہور و مقبول تھا۔ مولانا مرحوم کی تحقیقاتِ علمیہ و گہری نکتہ سنجیوں سے طلبہ بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ میں نے حضرت مفتی محمد شفیع مرحوم سرگودھوی (وہ مولانا رسول خان صاحب کے شاگرد تھے) سے سنا ہے کہ ایک دن مولانا محمد رسول خان نے (دارالعلوم دیوبند میں) میر زاہد رسالہ قطبیہ کے درس میں بڑے دقیق علمی نکتے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مغلق مقام کی تحقیق یوں ہوتی ہے۔ دیکھا میں نے بال کی کھال اتار

دی۔ اثنائے درس میں کچھ مخفی ایسی تعریض بھی کی مولانا نے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسی تحقیقات منطقی شخص ہی کر سکتا ہے۔ حدیث پڑھانا آسان ہے۔ منطقی تحقیقات ہر کسی کا کام نہیں۔

یہ بات کسی طالب علم نے مولانا انور شاہ علیہ الرحمۃ تک پہنچائی۔ چنانچہ ظہر یا عصر کی نماز کے بعد فوراً مولانا انور شاہؒ اٹھے اور فرمایا حضرات! بیٹھے رہو۔ پھر فرمایا کہ بعض حضرات کو منطقی تحقیقات پر ناز ہے۔ کل اس نے میر زاہد رسالہ قطبیہ کے درس میں یہ تحقیق کی ہے۔ سنو! مولوی صاحب (مولانا رسول خانؒ پر تعریض ہے) کی اس تحقیق پر تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پھر وہ اعتراضات ذکر فرمائے۔ مولانا رسول خان مرحوم تک طلبہ نے یہ بات پہنچادی۔ دوسرے دن طلبہ قصداً زیادہ تعداد میں رسالہ قطبیہ کے درس میں شریک ہوئے تو مولانا رسول خان مرحوم نے درس شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ "بھائیو! کل میری بات کسی نے مولانا انور شاہؒ تک پہنچائی۔ یہ اچھا کام نہیں"۔ پھر شیخ انور کی تعریف کی اور فرمایا۔ خیر شیخ انور کے اعتراضات کے جوابات تمہارے فائدے کے لیے ذکر کرتا ہوں۔ پھر جوابات ذکر کیے۔ طلبہ نے سارا حال شیخ انور تک پہنچایا۔ تو دوسرے دن پھر اسی نماز کے بعد نمازیوں کو ٹھہرا کر فرمایا کہ مولوی صاحب نے میرے تین اعتراضات کے یہ جواب دیے ہیں۔ سوالوں کا ایک ہی جواب صحیح ہے باقی دو میں یہ نقص ہے۔ لہٰذا اب بھی وہی دو اعتراض جوں کے توں ہیں۔

اور تیسرا اعتراض یہ ہے۔ پھر ایک نیا اعتراض ذکر کر کے فرمایا۔ یہ تین اعتراضات ہیں۔ ان کے جواب دیں۔ مولانا رسول خان مرحوم نے تیسرے دن اسی لب ولہجہ میں فرمایا کہ بعض طلبہ نے شیخ انور تک پھر بات پہنچادی ہے یہ اچھا کام نہیں۔ خیر ان تینوں اعتراضات کے جوابات سن لو۔ پھر تین نئے جوابات ذکر کیے۔ شیخ انور نے تیسرے دن حسب سابق نماز کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب نے رسالہ قطبیہ کے درس میں یہ تین جوابات دیے ہیں۔ ان میں دو صحیح ہیں اور ایک غلط ہے۔ اس میں یہ غلطی ہے پھر دو اعتراض مزید ذکر کر کے فرمایا۔ تین اعتراض ہوئے۔ چوتھے روز مولانا رسول خان مرحوم نے (چوتھے روز طلبہ کی تعداد بہت زیادہ تھی) حسب ماضی ادب سے شیخ انور کا نام لیا اور پھر فرمایا، خیر جوابات سن لو۔ پھر جوابات کی تشریح کی۔ چوتھے دن شیخ انورؒ نے نماز کے بعد جوابات ذکر کر کے ان میں سے ایک یا دو کا رد کر کے کچھ نئے اشکالات ذکر کیے۔ پھر فرمایا۔ سنو۔ ان اعتراضات کا ہرگز کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پانچویں دن تماشابین اور مشتاق طلبہ کی تعداد درس رسالہ قطبیہ میں بہت زیادہ تھی۔ تو واقعی شیخ انور کے دعوے کے مطابق (کہ ان اعتراضات کا جواب نہیں) مولانا رسول خان مرحوم نے ان کے جوابات نہیں دیے۔ اعتراضات ذکر کر کے فرمایا کہ "ان کے جواب دیے جا سکتے ہیں مگر بحث کو طول دینا مناسب نہیں"۔

اسی طرح یہ قصہ ختم ہوا ——— !

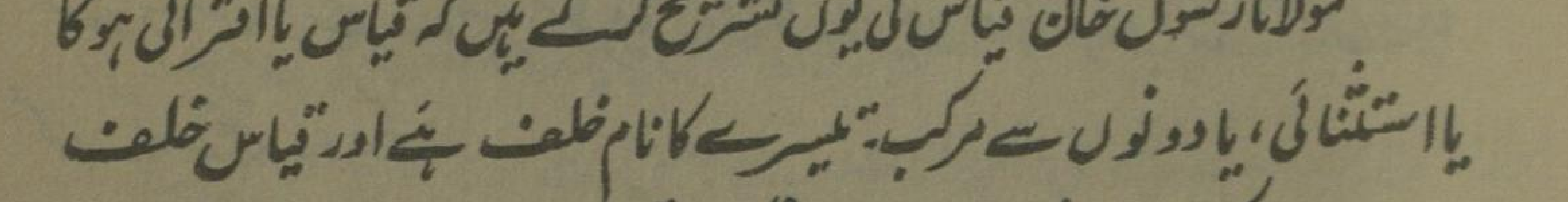
منطقی نکتہ نمبر ۱

منطق میں مولانا کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ کئی مسائل میں آپ عام مناطقہ کے برخلاف الگ رائے رکھتے تھے مثلاً کتبِ منطق میں قیاس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ اول اقترانی۔ دوم استثنائی۔ لیکن مولانا محمد رسول خان رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کی تین قسمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ ان کی رائے میں تیسری قسم قیاس خلف ہے۔ قیاس خلف سابقہ دو قسموں سے مرکب ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

القیاس اما اقترانی و اما استثنائی و اما خلف و ھو مرکب منہما

منطقی نکتہ نمبر ۲

مولانا رسول خانؒ قیاس کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ قیاس یا اقترانی ہوگا یا استثنائی، یا دونوں سے مرکب۔ تیسرے کا نام خلف ہے اور قیاس خلف میں قیاسِ عکس بھی داخل ہے۔ اقترانی کی دو قسمیں ہیں اول حملی جو دو حملیوں سے مرکب ہو۔ دوم شرطی جو دو شرطیوں سے مؤلف ہو۔ حملی و شرطی ہر دو میں چار چار صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں جنہیں اشکال اربعہ کہا جاتا ہے۔ استثنائی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول اتصالی۔ دوم انفصالی۔ مولانا مرحوم اپنے ہاتھ سے یوں نقشہ بناتے تھے:



منطقی نکتہ نمبر ۳

فرماتے تھے کہ قیاس عکس وخلف دونوں مرکب ہیں ایک اقترانی سے جو شرطیتین سے بنا ہو اور ایک استثنائی سے جو شرطیہ متصلہ اور سالبہ حملیہ سے بنا ہو۔

منطقی نکتہ نمبر ۴

مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ قیاس اقترانی حملیتین یا شرطیتین سے مرکب ہوتا ہے اور قیاس استثنائی کی ترکیب ایک شرطیہ اور ایک حملیہ سے ہوتی ہے

منطقی نکتہ نمبر ۵

مولانا مرحوم دورس معقول دماغ کے ذریعہ استنباط کرتے ہوئے متعدد اعتبارات کے پیش نظر قیاس کی گاہے تین[۳] اور گاہے پانچ تقسیمیں بتایا کرتے تھے وہ یہ کہ:۔

۱۔ باعتبار صورۃ بسیطہ قیاس منقسم ہوتا ہے اقترانی واستثنائی کی طرف۔

۲۔ باعتبار صورۃ مرکبہ از اقترانی واستثنائی قیاس خلف وغیرہ کی طرف۔

۳۔ دونوں میں صرف ایک سے مرکب صورۃ کے اعتبار سے دو قسموں کی طرف منقسم ہے۔ ایک کا نام ہے موصول النتائج اور دوسرے کا نام ہے مفصول النتائج۔

۴۔ باعتبار مادہ منقسم ہے صناعاتِ خمسہ کی طرف یعنی برہان، جدل، خطابہ مغالطہ اور شعر۔

۵۔ اور باعتبار مباحث عکوس تین قسموں کی طرف منقسم ہے جن میں سے

دو مرکب ہیں یعنی قیاس خلف و قیاس عکس اور ایک مفرد ہے، یعنی دلیل افتراض۔

منطقی نکتہ نمبر ۶

کتبِ معقولات میں یہ جملہ رائج و معروف ہے۔ "ہذا خُلف" مثلاً جب کسی مدعیٰ نہ ماننے سے محال لازم آجائے تو کہتے ہیں ھذا خلف. مشہور و معروف یہ ہے کہ خا رمضموم ہے یعنی بر وزنِ قُفل ہے مگر مولانا رسول خان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ضمۂ خار بالکل غلط ہے۔ صحیح فتحۂ خاء ہے بر وزنِ ضَرَبَ۔ واللہ اعلم۔

منطقی نکتہ نمبر ۷

مناطقہ کے نزدیک کلیات پانچ ہیں اور کلی پانچوں کے لیے جنس ہے، مولانا مرحوم فرماتے تھے کلی اعمّ بالذات ہے جنس سے اور اخص بالعرض ہے جنس سے اور جنس اعم بالعرض ہے کلی سے اور اخص بالذات ہے کلی سے کتنا دقیق نکتہ ہے۔ غور کریں۔

منطقی نکتہ نمبر ۸

کتبِ معقول میں اعتراض کی تین صورتیں ہیں، نقض، معارضہ، منع تینوں کی توضیح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ مولانا مرحوم ان کی تشریح یوں کرتے ہیں: المنع لابطال المدعی والنقض لابطال دلیل المدعی و المعارضة لاثبات نقیض المدعی

منطقی نکتہ نمبر ۹: مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔ علل تین اقسام میں منحصر ہیں۔

اول علل وجود ۔ دوم علل ماہیتہ فی العقل ۔ سوم علل ماہیتہ فی الخارج ۔ علل کی یہ تقسیم عام کتابوں میں موجود نہیں ہے ۔

منطقی نکتہ نمبر ۱

مولانا مرحوم تصدیق کے اقسامِ اربعہ اور ان کے ثمرات کی عجیب و لطیف توضیح کرتے تھے ۔ فرماتے تھے :-

۱۔ تصدیق غیر جازم ظن کہلاتی ہے اور اس سے مرکب دلیل خطابت سے موسوم ہے ۔

۲۔ تصدیق جازم مطابق للواقع یقین ہے اور اس سے مرکب دلیل برہان کہلاتی ہے ۔

۳۔ تصدیق جازم غیر مطابق للواقع جہل سے مرکب مسمٰی ہے اور اس سے مؤلف دلیل سفسطہ ہے ۔

۴۔ اور وہ تصدیق جازم جس میں واقعہ سے نہ مطابقت کا اعتبار ہوا ور نہ عدم مطابقت کا اعتبار بلکہ اس میں صرف اعتراف یا تسلیم خصم کا اعتبار ہو ۔ ایسی تصدیق سے مرکب دلیل کا نام جدل ہے ۔

ادبی نکتہ

یہ بحث مشہور ہے کہ لفظِ اسم " بصریین کے نزدیک اصل میں سِمْوٌ تھا اور کوفیین کے نزدیک وِسْمٌ ۔ یہ بحث تو سب علماء جانتے ہیں ۔ اب مولانا محمد رسول خان صاحب مرحوم کی لطیف تحقیق سنیئے ۔ فرماتے ہیں "بصریین کے نزدیک لفظِ اسم کی اصلِ اعلالی ، سِمْو بکسرِ سین

بروزن نِصف یا سُمْوٌ بضم سین بروزن عُضْوٌ ہے اور اصل
اشتقاقی ان کے نزدیک سُمُوٌّ بروزن عُلُوٌّ ہے اور کوفیین
کی رائے میں اس کی اصلِ اعلالی وَسْمٌ بروزن وَعْدٌ اور اصل
اشتقاقی سِمَۃٌ بروزن عِدَۃٌ اور اصلِ اعلالی سِمَۃٌ کی وِسْمٌ بکسر واو
ہے۔"

یہ نئی تحقیق ہے۔ مختلف شقوق کا استخراج داد دینے کے لائق ہے
ان میں بھی منطقی طرز بیان کی جھلک عیاں ہے۔

از مولانا عبدالدیان صاحب کلیم

اُستاذ العلما حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مکتوبات کے آئینے میں

استاذ العلما حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے بچپن میں اول اول اس وقت متعارف ہوا جبکہ دارالعلوم دیوبند میں قیام پاکستان سے قبل راقم الحروف طالب علم تھا۔ حضرت مولانا رسول خان صاحب رح، حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور دارالعلوم دیوبند کے محدّثین اساتذہ میں ایک ممتاز مقام کے مالک تھے نیز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جوں جوں شعور بڑھتا گیا تو علمی مجلسوں میں آپ کی علمی شان اور جامع الصفات شخصیت کے ذکرِ جمیل سے قدرتی طور پر دل میں شدت سے یہ احساس تمنا بن کر انگڑائی لینے لگی کہ کاش مجھے بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوتا اور میں بھی آپ کے روحانی اور علمی فیوضات سے استفادہ کر سکتا، اس وقت بظاہر یہ ناممکن معلوم ہو رہا تھا کیونکہ راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں تھا اور حضرت رح مولانا پروفیسر کی حیثیت سے اورینٹل کالج لاہور میں علومِ شرقیہ کے تشنگاں کو سیراب فرما رہے تھے۔

مگر خدائی قدرت دیکھئے کہ قیامِ پاکستان کے بعد جب میں خیر المدارس ملتان سے لاہور آیا اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا تو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ طلبِ صادق مجھے کشاں کشاں حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کے آستانے پر لے گئی۔ اس وقت آپ کا قیام پرانی انار کلی، ربانی روڈ پر مکان نمبر ۲۳ میں تھا۔ عصر کا وقت تھا۔ میرے ساتھ ایک طالب علم بھی تھا۔ ہم نے عصر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھی۔ حضرت مولاناؒ بھی نماز باجماعت میں شریک تھے مگر نماز کے بعد میں نے اپنے ساتھی کو مسجد میں ملنے سے روکا اور کہا کہ جب حضرتؒ مسجد سے گھر تشریف لے جائیں گے تو پھر گھر پر تسلی سے ملیں گے۔ جب حضرتؒ گھر تشریف لے گئے، تو تھوڑی دیر بعد ہم گھر پر حاضر ہوئے۔ اجازت ملی تو سیڑھیوں پر چڑھ کر درمیانی منزل کے ایک کمرے میں ہم بیٹھ گئے۔ ابھی میں امام المعقولین کی نشست گاہ کی سادگی سے متاثر ہو کر در و دیوار پر نظر ڈال ہی رہا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ ملاقات ہوئی مگر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ گویا یہ پہلی ملاقات نہیں بلکہ ایک پرانے خادم پر مشفق ترین مخدوم کی طرف سے معمول کے مطابق عنایت کی ایک جھلک تھی۔ یقین کیجئے، حضرت مولاناؒ پانی بھی پلایا اور چائے بھی۔

گفتگو میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر بھی آیا۔ جب میں نے عرض کیا، کہ آپ سے غائبانہ تعارف تو دارالعلوم دیوبند ہی میں ہو چکا تھا مگر صرف آپ کی دید کا مشتاق تھا تو میری اس طالب علمانہ جرأت اور شوخی تقریر پر

تھوڑی دیر تک مسکراتے رہے۔ نمازِ مغرب کا وقت قریب تھا۔ اجازت لے کر ہم واپس جامعہ اشرفیہ آگئے۔ یہ ۵۲ء کی بات ہے۔

اس کے بعد جب بھی موقع ملتا تھا۔ بلا جھجک حاضری دیتا اور آپ انتہائی شفقت فرماتے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت مولانا رسول خان صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ کچھ وقت یہاں مدرسہ میں پڑھانے کے لیے دے دیں۔ ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہاں ہم اور کہاں حضرت مولانا سے استفادہ کا موقع؟

ع — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

جس سال راقم الحروف دورۂ حدیث کا طالب علم تھا تو ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آپ کو سپرد ہوئے۔ آپ نے انتہائی معقول انداز میں حدیث شریف کا درس شروع فرمایا۔ حدیث کا مطلب خیز ترجمہ ایسے معقول تشریح کے ساتھ کہ منکرینِ حدیث کے من گھڑت شکوک و شبہات خود بخود ختم ہو جاتے تھے اور طالبِ علم یہ یقین کر لیتا کہ دین میں سند اور حجت کلام اللہ کے بعد کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ کلام اللہ وحیِ جلی ہے اور کلام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) وحیِ خفی۔

آپ صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے اور انتہائی وقار کے ساتھ حدیث شریف کا درس دیتے۔ بارش ہو یا آندھی وقتِ مقررہ پر پہنچنے کا خاص خیال فرماتے تھے۔ درس کے بعد کبھی کبھی میں آپ کے ساتھ گھر تک جاتا اور راستے میں بھی علمی اشکالات آپ سے حل کراتا۔

اس دوران میں حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے خط وکتابت کی نوبت ہی پیش نہیں آئی۔

جب اگلے سال مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی یاد ستانے لگی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کی آگ جلانے لگی تو نامساعد حالات کے باوجود تحریک ختم نبوت کے بعد اللہ تعالےٰ نے خاص فضل وکرم سے ایسے اسباب فراہم کر دیے کہ راقم الحروف پاسپورٹ پر دارالعلوم دیوبند چلا گیا اور وہاں دوبارہ دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا، اور پھر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔

یہاں سے وہ دور شروع ہوتا ہے جس میں کبھی حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے بالمشافہ ملاقات اور کبھی نصف ملاقات بذریعہ خط ہوتی رہی۔ دارالعلوم دیوبند میں اور وہاں سے واپسی پر جہاں جہاں بھی ملازمت کے سلسلہ میں رہا، حضرت مولاناؒ سے خط وکتابت کے ذریعہ تعلق قائم رہا اور آپ کی دعائیں اپنے لیے سرمایۂ آخرت تصور کرتا رہا۔

باچشمِ نم افسوس کرتے ہوئے یہ سطریں لکھ رہا ہوں کہ ہمارے پاس اعاظم رجال اور اکابرین دارالعلوم دیوبند کے خطوط کا کافی ذخیرہ تھا جو ہماری نااہلی کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا جو کچھ میں بچا سکا ہوں وہ حرزِ جان ہے۔ حضرت مولاناؒ کے اس وقت چند خطوط ہیں جو اپنے دلِ بیتاب کی تسلی کے لیے گاہے گاہے بازخوان کے طور پر دیکھ لیتا ہوں اور ایک سرد آہ کے

بعد رکھ دیتا ہوں۔

حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کے سینکڑوں نہیں بلا مبالغہ ہزاروں شاگرد اور متوسلین بلا واسطہ ہیں اور بالواسطہ کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے کیونکہ آپ ہندوپاک کے موجودہ اساتذہ اور محدثین کے استاذ ہیں۔ ان سب حضرات سے میری درخواست ہے کہ ان کے پاس جو خطوط کا ذخیرہ ہو اس کو افادۂ عام کے لیے شائع فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی خط میں ایسا علمی نکتہ ہو جو کسی صاحبِ علم یا متوسل کے لیے عقدہ کشائی کا سبب اور حصولِ معرفت و مقصد کا ذریعہ بن جائے۔

نجی خطوط کی اشاعت کو بعض حلقوں میں استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا مگر یہ بات سوسائٹی کے ان افراد کے متعلق صحیح ہو سکتی ہے جن کا تعلق بجائے خود محلِ نظر ہو۔ میرے نزدیک نجی خطوط کی اشاعت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آپ اس میں مکتوب نگار کے اصلی چہرے کو اس کے صحیح خدوخال کے سامنے دیکھ سکتے ہیں۔ نجی خطوط میں رکھ رکھاؤ اور مصنوعی کینچل عموماً اتر جاتی ہے اور مکتوب کے آئینہ میں مکتوب نگار کا سراپا صاف نظر آجاتا ہے جبکہ پبلک تحریر و تقریر میں کسی کی نفسیات کا صحیح تجزیہ ایک مشکل کام ہے۔

نجی خطوط کی مثال ایکسرے کی ہے جو صاحب تحریر کی ذہنی کیفیت، جذبات، قلبی تعلق، احساسات و واردات معلوم کرنے کا ایک مستند ذریعہ ہوتا ہے۔ گویا مکتوب، مکتوب نگار کا خود تعارف ہے۔

اس طویل مگر مجمل تمہید کے بعد آپ بھی اس تعارف میں شریک ہو جائیے۔

بےحد صدمہ

جب دارالعلوم دیوبند سے راقم الحروف نے حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع دی تو استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ نے اپنے گرامی نامہ میں ۱۲ر مارچ ۵۵ء کو اس پر بے حد صدمہ کا اظہار فرماتے ہوئے راقم الحروف کے نام تحریر فرمایا:

"آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مولانا مرحوم (حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے وصال پر بے حد صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور مولانا کو خاص رحمت کی بارش سے نوازے۔ آمین۔"

یہ بظاہر چند جملے ہیں مگر کتنے جامع؟ اس میں حضرت شیخ الادب صاحبؒ کی وفات پر اگر ایک طرف بےحد صدمہ کا اظہار ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ سے ہم سب کی مغفرت کی التجا، اور مولانا کو خاص رحمت کی بارش سے نوازنے کی دعا۔ مجھے امید ہے کہ استاذ العلماءؒ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عند اللہ قبولیت کا درجہ حاصل کر چکے ہوں گے اور حضرت شیخ الادب صاحبؒ حق تعالیٰ کی خاص رحمت کی بارش سے نوازے جا رہے ہوں گے۔

مستصفی اصول فقہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت استاذ العلماءؒ اگرچہ خود ایک چلتا پھرتا کتب خانہ تھے اور پوری زندگی

درس وتدریس اور کتب بینی آپ کا محبوب مشغلہ تھا مگر علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آخری عمر میں بھی لاہور سے دارالعلوم دیوبند راقم الحروف کے نام ۲۵ر جون ۵۵ء کے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

"کیا متصفی اصول فقہ امام غزالیؒ کی ہے؟ دیوبند میں دستیاب ہو سکتی ہے؟ قیمت کتنی ہے؟ اطلاع دیں"۔

اللہ اکبر یہ ہے علمی ذوق! حضرت مولاناؒ نے کسی دنیوی چیز کی طلب نہیں فرمائی، اگر کسی چیز کی خواہش کا اظہار بھی فرمایا تو وہ بھی ایک دینی کتاب کی۔

دین کی خدمت

عربی زبان کی ترویج واشاعت کے لیے حکومت مصر کی طرف سے ڈاکٹر امین المصری صاحب پاکستان تشریف لائے تھے اور اورنٹیل کالج لاہور میں ایم۔اے عربی اور دینی مدارس کے منتہی طلباء کو بعد العصر الشہادۃ العالیۃ کا کورس پڑھایا کرتے تھے۔ راقم الحروف بھی چند ساتھیوں سمیت کورس میں شامل تھا اور ان سے مانوس ہو گیا تھا۔ محمد امین المصری صاحب نے شفقت فرماتے ہوئے ہمیں جامعہ ازہر جانے کے لیے ترغیب دی اور ویزا میں سہولت اور امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔ ایک مخلص دوست نے میرے نام بنک میں کچھ رقم بھی جمع کرا دی۔ چنانچہ راقم الحروف نے جامعہ ازہر میں داخلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔ مگر جن اکابر اساتذہ سے میں نے مشورہ کیا۔ ان میں استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ بھی تھے۔ آپ نے ۲۸ر جنوری ۵۵ء کے مکتوب میں جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"الحمد للہ کہ آپ تندرست ہیں اور نیک ارادہ اور عمل کے حامل ہیں۔ مصر جانے سے دین کی خدمت اور خاص علم کی خدمت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین"

ایک دوسرے بزرگ نے بھی کچھ اس قسم کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ارادہ ملتوی کردیا۔

ہندوستانی لیڈری

جب لائل پور کے ایک ہائی سکول میں راقم الحروف کی تقرری معلم عربی کی حیثیت سے ہوئی تو میں نے استاذ العلماءؒ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے ۲۴ جون ۵۷ء کے مکتوب میں اس تقرری پر بیحد مسرت کا اظہار، اور دعا دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"حق تعالیٰ آپ کو باران رحمت سے سیراب فرماتے رہیں۔ آمین! آپ کی علمی تقرر سے بے حد مسرت ہوئی۔ تعلیم و تعلّم میں ہندوستانی لیڈری کام نہیں دیتی"

ہندوستانی لیڈری ؟ آہ اس کا لطف شاید وہ حضرات نہ اٹھا سکیں، جن کو حضرت مولاناؒ کی مجلس و صحبت میں رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ بہرحال اس میں ان سب دینی طلباء کے لیے نصیحت ہے جو دینی تعلیم میں وقت کم اور سیاسی لیڈری میں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے ؟

عید میں اضافہ

حضرت مولاناؒ کا حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم، "جس نے

ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کی اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا، وہ ہم میں سے نہیں "، پر پورا پورا عمل تھا۔ چھوٹوں پر آپ بہت رحم اور شفقت فرماتے اور بسا اوقات خوش طبعی میں ایسے جملے ارشاد فرماتے جو چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ازدیادِ محبت کا باعث ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے عید کے موقع پر لاہور آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ آپ لاہور سے گھر (ہزارہ) تشریف لے جا چکے تھے۔ میرا عریضہ آپ کو گھر ہزارہ میں ملا۔ آپ نے ۱۱ جون ۱۹۶۰ء کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ تندرست ہیں۔ حق تعالیٰ آئندہ بھی قائم رکھے آمین۔ میں عید پر مکان آیا تھا۔ یہاں آپ کا والا نامہ ملا تو عید میں اضافہ ہوا۔"

عید میں اضافہ ؛ کو چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور آپ کی خوش طبعی کے سوا اور کس چیز پر محمول کیا جائے۔

عدمِ ضرورت اور ضرورتِ عدم

استاذ العلماءؒ اپنے وقت کے امام المعقولین تھے۔ کسی مخاطب نے اگر ذرا منطقیانہ انداز میں بات کی تو فوراً حضرت مولاناؒ اس کو منطقی انداز میں ہی پکڑ لیتے تھے، اور وہ بیچارہ خاموش ہو کر اپنی بات پر پشیمان ہو کر رہ جاتا۔ آپ سے مختصر اور سادہ گفتگو کرنے میں عافیت تھی اور وہ بھی واجبی انداز میں۔ میری طالب علمی کا زمانہ ختم ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا،

حضرت مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہورؒ سے حمد اللہ اور استاذ العلماؒ سے قاضی مبارک کا درس لے چکا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت استاذ العلماؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اتفاق سے اس میں کچھ منطقی اصطلاح استعمال ہو گئی جس کا نام یہ تھا۔

"آپ سے جو محبت ہے وہ بہر حال ہے ویسے بھی کسی سے محبت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ خط و کتابت بھی ہو۔ بہر حال چونکہ المکتوب نصف الملاقات مشہور ہے۔ اس لیے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں"

استاذ العلماءؒ نے ۱۱ر جون ۷۶ء کے مکتوب میں معقولی انداز میں تحریر فرمایا

"محبت کے لیے جیسے کتابت ضروری نہیں ایسی عدمِ کتابت بھی ضروری نہیں۔ آپ کی عدم کتابت طویل زمانہ تک دال ہے کہ آں جناب نے عدم ضرورت کو ضرورت عدم سمجھا ہے یہ زیرِ غور ہے۔ ملاقات مثل رویۃ و مثل طلاق متجزی نہیں اس لیے نصف ملاقات بھی زیرِ غور ہے۔ کلیم کے معنی سے بھی قاصر ہوں۔ میں آپ کے یاد فرمانے کا کہ جو کیفاً قوی ہے، دل سے شکر گزار ہوں۔ حق تعالیٰ آپ کی ترقیات کو غیر محدود فرمائے دارین میں"

یہ اقتباس بار بار پڑھیئے اور لطف اٹھایئے کسی تبصرے کی ضرورت نہیں آخر میں تبرک کے طور پر حضرت استاذ العلماء مولانا رسول خان صاحبؒ

کے مکتوبات درج کیے جاتے ہیں تاکہ محفوظ ہو کر ہمیشہ کے لیے تاریخ کا جزو بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو خاص فضل وکرم سے نوازے۔ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر جنت نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے علوم سے نفع پہنچا کر ان کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمت سیّد المرسلین ــــــــ

اُستاذ العلمائ کے خطوط ...... عبدالدیّان کلیم کے نام

۱۔ مکرمی جناب مولانا صاحب زید مدارجکم فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مولانا مرحوم کے وصال پر بے حد صدمہ ہوا، حق تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور مولانا کو خاص رحمت کی بارش سے نوازے۔ آمین۔

دونوں کتابیں فلسفہ میں ہیں، زیادہ اہم نہیں اور نہ کوئی خاص ضرورت ہے۔ طالبِ دعا دست بدعا ہے۔ محمد رسول خان

محمد رسول خان عفا عنہ المنان پرانی انارکلی ربانی روڈ

مکان نمبر ۲۳ لاہور

پرسانِ حال کو السلام علیکم۔ آپ نے پوسٹ کارڈ زیادہ دے کر ممنون اور مغموم کر دیا ہے۔

۲۔ مکرمی و محترمی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، ——— آپ غالباً تشریف لاہور شعبان میں لائے تھے، شاید لائل پور جانے کا قصد تھا۔ اس کے بعد آپ کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ خیال تھا آپ دیو بند ہوں گے۔ حق تعالیٰ بعافیت رکھے۔ کیا مستصفیٰ اصول فقہ امام غزالیؒ کی ہے؟ دیو بند میں دستیاب ہو سکتی ہے؟ قیمت کتنی ہے؟ اطلاع دیں

محمد رسول خان عفا عنہ از لاہور۔

مولانا اختر حسین صاحب کو السلام علیکم

۳۔ مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

میں نے اس ہفتہ میں آپ کے نام دار العلوم دیو بند ایک خط بھیجا تھا۔ خیال تھا کہ آپ دیو بند ہوں گے۔ آج معلوم ہوا کہ آپ لائلپور ہیں۔ الحمد للہ کہ آپ تندرست ہیں اور نیک ارادہ اور عمل کے حامل ہیں۔ مصر جانے سے دین کی خدمت اور خاص علم کی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین

محمد رسول خان عفا عنہ از لاہور

۴۔ مکرمی جناب مولانا صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،!

یاد فرمانے اور قلبی خلوص کے شکر سے عاجز ہوں۔ حق تعالیٰ آپ کو باران رحمت سے سیراب فرماتے رہیں۔ آمین۔ آپ کی علمی تقریر سے بے حد مسرت ہوئی۔ تعلیم و تعلم میں ہندوستانی لیڈری کام نہیں دیتی ——— محمد رسول خان عفا عنہ الرحمان ۲۰/۶/۵۰

۵- کریم الاخلاق ! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ تندرست ہیں۔ حق تعالیٰ آئندہ بھی قائم رکھے آمین۔ میں عید پر مکان آیا تھا۔ آپ کا والا نامہ ملا تو عید میں اضافہ ہوا۔ محبت کے لیے جیسے کتابت ضروری نہیں ایسی عدم کتابت بھی ضروری نہیں۔ آپ کی عدم ملاقات طویل عرصہ تک دال ہے۔ کہ آں جناب نے عدم ضرورت کو ضرورت عدم سمجھا ہے۔ یہ زیر غور ہے۔ ملاقات مثل رویت و مثل طلاق متجزی نہیں۔ اس لیے نصف ملاقات بھی زیر غور ہے۔ کلیم کے معنی سے بھی قاصر ہوں۔ میں آپ کے یاد فرمانے کا کہ جو کیفاً قوی ہے دل سے شکر گزار ہوں۔ حق تعالیٰ آپ کی ترقیات کو غیر محدود فرمائے دارین میں آمین

محمد رسول خان عفا عنہ المنان اچڑیاں ڈاکخانہ خاص

حاجی آباد ہزارہ ۹/۴/۶۰

۱۱-۴-۶۰ کو انشاء اللہ لاہور واپس ہوں گا۔

از حضرت مولانا حافظ محمد حسن جان صاحب مدنی ایم۔اے
شیخ الحدیث دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی چارسدہ پشاور

حضرت الاستاذ مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ" جیسے آفتاب علم اور مہتاب عمل و تقویٰ کے بارے میں مجھ جیسا ناکارۂ خلائق اور بے کار آدمی کیا لکھ سکے گا؟

آپ کی علمی شان، دقت شناسی، تبحر علمی اور اخلاقِ کریمانہ کے بیان کے لیے بھی کچھ مناسب اہلیت چاہیئے جو اس فقیر بے بضاعت میں مفقود ہے۔ فقیر کو آنجناب سے ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس زمانۂ حصول اور یک سالہ صحبت ۱۳۷۶ھ میں آپ کی جو خصوصیات یاد ہیں، اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ آپ وقت کے سخت پابند تھے اور کبھی بھی اسباق قضاء نہیں ہونے دیے۔ اس زمانہ میں آپ کی صحت بھی کافی اچھی تھی، آپ نے تو بیماری کی وجہ سے بھی اسباق نہیں چھوڑے۔ لاہور کے دوران قیام بعض حضرات سے آپ کی پابندیٔ وقت کے بارے میں بہت سنا کہ آپ اورنٹیل کالج لاہور کے زمانۂ تدریس میں بھی اتنے طویل عرصے کے باوجود بھی غیر حاضر نہیں ہوئے۔

۲۔ اسباق نہایت اخلاص، محبت، شفقت اور شوق سے پڑھاتے تھے، اور کبھی اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے مزاح بھی کیا کرتے تھے۔ بیان کے بعد اگر کوئی طالب علم سوال کرتا تو جواب میں اول یوں استفسار کرتے کہ تاکید ہے یا اعتراض؟ اعتراض کی صورت میں مدلل اور مُسکِت جواب دینے کے بعد یوں ارشاد فرماتے کہ:

"چل اب حماریت ظاہر ہوگئی"

ان کا یہ کلمہ "حماریت" مزاح کے طور پر زبان زد خاص و عام ہو گیا تھا۔

۳۔ تدریس میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل جن میں آپ یدِطولیٰ اور مہارت کاملہ رکھتے تھے تفصیل کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے خصوصاً مذہبِ حنفی کو نقلی وجوہ کے علاوہ ٹھوس اور فلسفہ و حکمت سے بھرپور دلائلِ عقلیہ سے ترجیح دیتے۔

۴۔ اپنی بلند اخلاقی کی بنا پر طالب علم سے اس کی مرضی اور پسند کی جگہ میں امتحان لیا کرتے اور ہنسی مذاق میں اسے لاجواب کر دیتے مگر پھر بھی نمبر زیادہ دیتے تھے۔

۵۔ پاک و ہند کے مشاہیر علماء کے استاذ ہونے کے باوجود آخری درجہ کے متواضع تھے۔ میں نے اپنی عمر میں ایسا تواضع اور انکسار کبھی بھی نہیں دیکھا۔ اس شفقت اور تواضع کی بنا پر طلبہ کے دل میں ان کی نہایت محبت اور قدر و منزلت تھی۔ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا علی اکبر جان صاحب ان کی زیارت کے لیے لاہور آئے۔ اس وقت میں

بھی مجلس میں موجود تھا تو والد بزرگوارم سے فرمانے لگے کہ:۔

"جب یہ (محمد حسن جان) ترمذی شریف کی عبارت پڑھتا ہے تو مجھے امام زہری رحمہ اللہ یاد آجاتے ہیں۔

— یہ ان کی نظر شفقت کا ادنیٰ کرشمہ تھا ورنہ میں کیا تھا؟

ع — چہ نسبت خاک را با عالم پاک

زندگی کے آخری سالوں میں جب بھی ان سے ملتا تو روتے ہوئے فرماتے کہ "مجھے دعاؤں میں یاد کیا کرو"۔ سبحان اللہ! میں خود ادب و احترام کی بنا پر ان سے زیادہ بات چیت نہیں کر سکتا تھا۔

۶۔ میرے زمانۂ حصول تعلیم میں جب بھی جامعہ اشرفیہ کی درسگاہ میں تشریف لاتے تو نہایت صاف ستھرا اور قیمتی لباس پہن کر طریقہ محدثین پر عمل کرتے ہوئے تشریف لایا کرتے تھے۔ نظر کافی تیز تھی اس لیے اس طویل زندگی اور کافی معمر ہونے کے باوجود بھی میں نے ان کو عینک استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ۝ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

محمد حسن جان المدنی دار العلوم نعمانیہ اتمان زئی
چارسدہ ضلع پشاور ۱۳ر جولائی ۱۹۷۳

حضرت مولانا لطافت الرحمان صاحب
شیخ الفقہ والقانون جامعہ اسلامیہ بہاولپور

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد رسول خانؒ

دارالعلوم دیوبند میں میرا امتحانِ داخلہ مرحوم ہی نے لیا تھا مختصر المعانی میں تقدیم مسند الیہ کی بحث "انسان لم یفھم، لم یفھم انسان" نکلوا کر سلبِ عموم اور عمومِ سلب کی بابت پوچھتے رہے۔ چنانچہ اس وقت مرحوم کے مخصوص طرزِ تعبیر، معقولی اور منطقی عنوانات وتعبیرات کی وہ پر ذوق علمی یاد تادمِ زیست لوحِ قلب پر ثبت رہے گی۔ پھر اسی بحرِ ذخار کے علمی تموّج وتلاطم کے علاوہ ان کی صورت وسیرت، حسن ورفعت کو دیکھ کر ان تمام نادیدہ خوبیوں کو سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا جن کا ذکر حضرت الاستاذ المرحوم علامہ مفتاح الدین رحمۃ اللہ علیہ (جورہ سوات) مرحوم کے بارہ میں اپنے دروس واملاءات اور عام علمی ذکر وتذکار کے دوران فرمایا کرتے تھے کیونکہ مرحوم، مرحوم کے بلند تلامذہ میں سے تھے اور استاذ الکل حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت المرحوم کے علم وعمل، وجاہت ووقار، جامعیت معقول ومنقول کا ذکر نہایت شغف اور عقیدت سے فرماتے تھے۔

میرے قیام دارالعلوم دیوبند کے پہلے ہی سال کا واقعہ ہے کہ مرحوم

ناظمِ تعلیمات و امتحانات تھے۔ ہوا یہ کہ میرے برادر بزرگ مولانا شمس الرحمان صاحب عرف محمد قاضی خان نے دورۂ حدیث کی موقوف علیہ کتابیں مشکوٰۃ جلالین، ہدایہ اولین پڑھ لی تھیں مگر منطق میں سلم العلوم ہی پڑھ چکے تھے جبکہ دورۂ حدیث کی شرکت کے لیے اس کی شرح ملاحسن کا پڑھنا بھی مشروط تھا بہر صورت ہم نے کوشش کی۔ آدمی قابل تھا، دورۂ حدیث میں شرکت کی اجازت بھی ملی اور کتابیں بھی دلادی گئیں۔ اسی مرحلہ پر جب خادم ناظمِ تعلیمات حضرت المرحوم کے پاس گیا تو انہوں نے ملاحسن والی شرط کی وجہ سے دورۂ حدیث کی اجازت منسوخ کر دی اور کتابوں کی واپسی کا آرڈر صادر فرمایا۔ اس پر ہم نے حضرت مدنی ؒ سے ایک تحریری سفارش لائی۔ وہ تحریر بلفظہٖ موجود ہے۔ اس وقت کوہاٹ میں ایک محدث کے پاس میرے برادرِ بزرگ کی کاپی حدیث میں ہے۔ اس تحریر میں حضرت مدنی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے کہ

"کیا ان حالات میں مولوی شمس الرحمان سے دورۂ حدیث کی واپسی مثل سوء کا ہم معنی نہیں ہوگا؟"

چنانچہ حضرت مدنی کی اس مشفقانہ اور حکیمانہ سفارش پر حضرت المرحوم نے جو الفاظ تحریر فرما کر دورۂ حدیث کو رہنے دیا ہے وہ تحریر بھی یہی ہے کہ:

"اگرچہ مولوی شمس الرحمان کا اس سال دورۂ حدیث خلافِ قاعدہ ہے لیکن چونکہ اکابر پُر زور سفارش فرماتے ہیں۔ اس وجہ سے اجازت دے دی جاتی ہے۔ کتب خانہ سے دورہ کی کتابیں دلادی جائیں۔"

ایک بار دارالعلوم دیوبند میں چند بالائی درجات کے طلبہ نے حضرت المرحوم سے تقلید مذاہب اربعہ میں کچھ تقویت و ترجیح پر تقریر فرمانے کی درخواست کی جس کو منظور فرما کر جس نہج واستقامت پر مرحوم نے کسی لیڈرانہ لب و لہجہ اور مقلدانہ تصلب و تعصب سے بالا ہو کر اس مسئلہ کو صاف کیا۔ خدا کی قسم مزہ آیا۔ مجھے یاد ہے کہ تقریر کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ:۔

"مذاہب اربعہ درحقیقت کتاب و سنت پر عمل کرنے کی راہیں ہیں، جن تمام میں حنفی مذہب نہایت محقق و موثق ہے، خاص کر جب کہ خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان کے اس ماحول کے مواطن و بلاد میں یہی مذہب رواج پذیر ہے اور اسی کا سارا فقہی خاکہ، علماء، کتابیں اور سارا سامان مکمل طور پر عمل کے لیے موجود ہے تو پھر کیونکر یہاں اس مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کیا جائے"۔

ایک بار میں لاہور میں سلام کے لیے حاضر ہوا، اپنا کچھ ضروری تعارف کرا کر تلمیذ اور تلمیذ التلمیذ دونوں رابطوں کی وضاحت کی تو فرمایا کہ:۔

"افسوس! مولانا مفتاح الدین فوت ہو گئے ہیں۔ بڑے قابل اور جید عالم تھے"۔

پھر مرحوم اور میرے لیے دعا فرمائی ——— بس میں بھی اس نہایت مختصر تحریر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں مقام عالی پر سرفراز فرمائے اور ان کے متوسلین کو بھی عنایات فاضلہ سے نوازے۔ اللّٰھم آمین!

صاحبزادہ فضل الرحیم صاحب
جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

حضرت الاُستاذ قدس اللہ سرہ العزیز

اخی المکرم جناب قاری فیوض الرحمان صاحب مدظلہٗ کے ارشاد پر اعلیٰ حضرت سیدی وسندی ووسیلتی واستاذی مولٰنا محمد رسول خان صاحب کے بارے میں چند باتیں جو ذہن میں فی الفور آئیں سپرد قلم کرتا ہوں :۔

احقر نے حضرت سے عمر کے آخری سالوں میں پڑھا ہے۔ دورانِ تعلیم کیا کیا نکات اور شفقتیں طلباء پر نچھاور فرماتے اس کے لیے تو دفاتر بھی تحریر کیے جائیں تو کم ہیں صرف ایک واقعہ تعلیم کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

حضرتؒ ترمذی شریف کا درس دیتے۔ اس میں صفائی کے متعلق بھی حضرتؒ طلباء کو نہایت شفقت کے ساتھ تلقین فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ دارالحدیث کی صفائی اور کوڑا وغیرہ کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ "اس قسم کا کوڑا وغیرہ ناپاک اور گندی جگہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ اس جگہ کا کوڑا بھی متبرک ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت والا ترمذی شریف پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ احقر نے بچشم خود دیکھا کہ جہاں پر طلباء جوتے اتارتے وہاں پر طلباء کی لاپرواہی سے کوڑا کرکٹ وغیرہ جمع ہو گیا۔ حضرت جب اس جگہ پر پہونچے تو اپنے سر مبارک پر رکھی ہوئی چادر اتاری اور اطمینان سے بیٹھ کر کوڑا وغیرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔ اللہ اکبر! ایشیا کی اتنی بزرگ و برتر ہستی اور تواضع و عاجزی کا یہ حال۔ واللہ العظیم۔ جب یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ بلند آواز سے ایک چیخ نکلی۔ احقر نے جرأت کر کے حضرت کے قدموں میں ہاتھ رکھ کر اندر تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ دار الحدیث میں موجود طلباء پر اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

دوسرا پہلو

حضرت کا ادنیٰ خادم معمولی سا حسن سلوک حضرت سے کرتا تو آپ کی عادت یہ تھی کہ کئی مرتبہ نہایت تواضع سے اس کا شکریہ ادا کرتے۔

حضرت والد صاحبؒ نے ایک مرتبہ حضرتؒ کو سردی کے موسم میں گھر جاتے ہوئے گرم قمیص ہدیۃً پیش کی جس کو حضرت نے قبول فرما لیا۔ اب حضرت کا یہ حال تھا کہ عمر کے آخری وقت تک اس قمیص کا تذکرہ مختلف مجالس میں فرماتے اور میں نے یہ خود سنا، فرماتے کہ میں نے یہ قمیص بطور تبرک رکھی ہے۔ میری وفات کے بعد جب قبر میں مجھے رکھا جائے تو کفن کے اوپر یہ قمیص ڈالی جائے۔"

اور یہ بھی فرمانے کہ "حضرت مفتی محمد حسن صاحب اکثر خواب میں آتے ہیں اور متعدد امور میں مشورہ دیتے ہیں"

مادۂ تاریخ وفات حضرتؒ

حضرت کی وفات حسرت آیات پر نہایت مغموم تھا کہ یکایک قرآن کی یہ آیت زبان پر جاری ہوگئی "رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کاغذ قلم لے کر آیت مذکورہ کے اعداد نکالے تو بغیر کسی اضافہ وحذف کے سن مطلوب نکل آئی۔ یعنی ۱۳۹۱ھ سبحان اللہ۔ یہ حضرت کی زندہ کرامات ہیں ورنہ احقر کو نہ تو اس فن سے مناسبت اور نہ ہی شوق ہے۔

الغرض شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب عالم اجل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت متواضع، شفیق اور بااخلاق تھے ——— ؎

اولئك اباءى فجئنى بمثلهم

اذا جمعتنا يا جرير المجامع

آخر میں دعا ہے کہ خداوند کریم حضرت کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرتؒ کا ایک مکتوب

مولانا فضل الرحیم کے نام

محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ ڈاکخانہ حاجی آباد ۔ اچھڑیاں تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ

عزیز القدر کلیلۃ القدر ولیلۃ البدر زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ نے دوبارہ احقر کو ایسی جگہ سے یاد فرما کر ممنون ہونے سے نوازا ہے کہ جو رحمۃ للعالمینؐ کے طلوع اور غروب کا مقام ہے اور آفتابِ عالم کا برجِ سعادت ہے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ آنحضرت مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ برکات سے دارین میں مشرف فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

آپ اور حضرت والدہ ماجدہ صاحبہ کے خدمت میں باادب عرض ہے کہ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ تازیست ہر سال زیارت حرمین شرفہما اللہ تعالیٰ احقر کو تعظیم اور محبت سے منور اور نصیب فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

زیارت حرمین شرفہما اللہ تعالیٰ بے حد بڑی نعمت ہے، آپ کو حاصل ہے جتنی قدر اور شکر فرمائیں گے وہ کم ہے۔ مجھے دوبارہ حاضری کی بڑی تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں اور اللہ مایوس نہ فرمائے آمین۔

میری اہلیہ اور میری لڑکی خیر النساء آپ دونوں حضرات کے خدمت میں باادب سلام عرض کرتی ہیں۔ زیارتِ حرمین شریفین کی متمنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھروسہ ہے

ے ندارم ہیچ گونہ توشۂ رہ
بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

آپ کی روضہ اقدس کی تحقیق سے بے حد جی خوش ہوا۔ حق تعالےٰ آپکو خوش خرم دارین میں رکھے۔ مجھے وہاں کے کتابوں کا علم نہیں۔ اس وجہ سے آپ کے لیے اور اپنے لیے کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ آپ کے اخلاص کا شکریہ۔ آپ نے جس اخلاص سے دعائیں اور طواف اور ارادہ عمرہ طیبہ کا احقر کے لیے کیا ہے اس کی قدر اور شکر سے میں عاجز ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو وہاں کے برکات سے دائما نوازے اور عمر طویل کے شجرۂ طیبہ کے ثمرات سے عالم کو مستفید فرماتا رہے آمین صلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

ایک دوا عربی ممالک میں خاص بنتی ہے دوسرے مقام میں نہیں ملتی۔ نام اس کا "پنیر مایہ شتر" ہے۔ اصلی یا غیر اصلی وہاں کے لوگ جانتے ہیں۔ پاؤ یا کم بیش جتنی ملے لے آئیے اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ —— جمعرات ۳ر شوال

دوا کا نام :- پنیر مایہ شتر (اعرابی)

حضرت مولانا علی اصغر صاحب
ڈسٹرکٹ خطیب جامع نیلا گنبد لاہور

اتباعِ سُنّت کے مجسّم پیکر

شیخ المفسّرین والمحدّثین استاذ الکل مولانا محمّد رسُول خان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ میری طرح ایک بے بضاعت اور ناکارۂ خلائق کو حضرت کے علوم عالیہ سے قطعاً کوئی نسبت نہیں لیکن محض اپنی نجات اور پھر برادرِ عزیز فاضلِ نوجوان حضرت مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مندرجہ ذیل چند سطور سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

۲۔ احقر کو وُرودِ لاہور کے زمانہ ۱۹۵۲ء سے حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی خدمت میں تا وفات حاضری اکثر نصیب رہی ہے۔ حضرت سیدی ومرشدی مولانا محمد رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ علومِ دینیہ میں مجتہدانہ مقام رکھنے اور استاذ الکل ہونے کے باوجود تواضع، عجز وانکساری میں ایسے تھے کہ ارشادِ نبوی مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ میرے خیال میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ قدس سرہٗ کے علوم پر صفت تواضع غالب تھی تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔

۳۔ یہاں لاہور کے علماء میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت مولانا محمد صادق

صاحب مرحوم سابق خطیب مسجد پٹولیاں اندرون لوہاری دروازہ لاہور کو خواب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی تو حضرت امام صاحب کی شکل و صورت مولانا محمد رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی تھی۔ یہ عالمِ مثال میں اس تعلق کا ظہور تھا جو حضرت کو امام صاحب سے تھا۔ دورہ حدیث شریف کے سال بعض ذی استعداد طلبار سے میں نے خود سنا کہ اگر ترمذی شریف حضرت نہ پڑھاتے اور احناف کے دلائل یوں پیش نہ کیے جاتے تو شاید ہم حنفیت ترک کر دیتے۔

۴۔ حضرت مولانا مرحوم کی صفت تواضع سے بعض اکابر کا تاثر یوں دیکھا کہ خطیب ہزارہ مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم جو حضرت کے شاگردوں میں سے تھے۔ لاہور جب بھی تشریف لاتے تو اکثر قیام احقر کے پاس نیلا گنبد میں ہوتا۔ حضرت سے ملاقات کے لیے جانے تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت الاستاذ کے ہاں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اس لیے کہ حضرت بہت تواضع سے پیش آتے ہیں جس کے لائق میں نہیں ہوں۔ خطیب صاحب مرحوم "حضرت مولانا" کا لفظ صرف دو بزرگوں کے لیے استعمال فرمایا کرتے تھے ایک تو حضرت کے لیے اور پھر قطب زمان شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے

۵۔ اگر کوئی بچہ بھی مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا تو حضرت سنت نبوی کے مطابق پورے متوجہ ہو کر ہاتھ ملاتے اور تقریباً ہر ملنے والے

کو اس کا تجربہ ہے کہ مصافحہ کرنے والا جب تک خود ہی اپنے ہاتھ نہ چھڑاتا۔ حضرت چھوڑنے میں پہل نہیں فرماتے تھے۔

۱۹۵۷ء میں دورہ حدیث شریف کے دوران ترمذی شریف اور شمائل ترمذی کے اسباق حضرت کے ہاں تھے۔ شمائل کے سبق میں ایک روایت گزری کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت قدم مبارک اٹھا اٹھا کر رکھتے تھے تو فرمایا "بزانخفشو[1] آج کل تم نوجوان بھی پاؤں گھسیٹ کر چلتے ہو حالانکہ سنتِ نبوی یہ ہے کہ چلتے وقت پاؤں اٹھا کر رکھے جائیں"۔ میں نے حضرت کو ہمیشہ سنت نبوی کے مطابق چلتے دیکھا۔

مسجد پٹولیاں لاہور میں ایک مرتبہ حضرت وعظ کے لیے تشریف لے گئے۔ منتظمینِ جلسہ نے حضرت کے ضعف کا خیال کر کے کرسی بچھائی تو حضرت مولانا نے بیٹھنے کے بجائے کھڑے کھڑے وعظ فرمایا اور قرآنِ پاک سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضور کے ایک خطبہ کا ذکر یوں کیا ہے:۔

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ——— یعنی لوگ آپ کو کھڑا چھوڑ گئے

فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] بز انخفش طلباء کے لیے حضرت کا ایک تکیۂ کلام تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جس کو بز انخفش کہا ہے وہ بہت بڑا عالم بنا ہے۔

نیز حضرت کو دیکھا گیا کہ نوافل آپ اکثر کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔
ایک مرتبہ کسی نے کہہ دیا کہ حضرتؒ وتروں کے بعد والے دو نفل حضور سے بیٹھ کر منقول ہیں۔ فرمایا بڑا اخفش یہ بھی تو روایات میں آتا ہے کہ رات میں عبادت کے دوران کھڑے کھڑے حضور کے پاؤں مبارک سوجھ جایا کرتے تھے۔ آسان سنت تلاش کرتے ہو اور مشکل سنت پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک بار کسی نے اپنے گھٹنوں میں درد کی شکایت کی، فرمایا دونوں گھٹنوں کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نماز کے دوران سنت کے مطابق رکوع کیا کرو تو یہ تکلیف دور ہو جائے گی پھر فرمایا میرا تجربہ یوں ہی ہے۔

یہ چند وہ مثالیں ہیں جن سے حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو متبع سنت ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سنتِ نبوی کا اس قدر اہتمام صرف ان بزرگوں کا حصہ ہے جن کے لیے شریعت فطرتِ ثانیہ بن گئی ہو۔ حضرت قدس سرہ حقیقۃً بقیۃ السلف تھے۔ علم و عمل اخلاق و شمائل میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔ حضرت کے وصال سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہیر تلامذہ کی جماعت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت قدس سرہٗ سلسلہ سلوک میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ سبق کے دوران اس کا ذکر آیا، کہ

حضرت کے نام پر بعض ناقدین نے اعتراض کیا ہے کہ "رسول خان" کا کیا معنی؟ حضرت نے فرمایا کہ دیوبند کے قیام کے زمانہ میں مجھے اپنا نام بدلنے کا خیال ہوا جس کا میں نے ذکر بھی کر دیا، حضرت تھانویؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا ان کے نام کے معنی میں کرتا ہوں۔ "رسول" سے مراد ہادی اور "خان" سے اشارہ قوم افاغنہ کی طرف ہے۔ معنی یہ ہوتے کہ خوانین لوگوں کا ہادی ورہنما۔ حضرت نے فرمایا بس میں نے نام کی تبدیلی کا ارادہ چھوڑ دیا۔

گزشتہ انتخابات سے قبل اپنے ہی بعض علماء نے جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر اور خصوصاً حضرت مولانا غلام غوث صاحب کو بھی اس فتوے کی لپیٹ میں لینا چاہا جو سوشلزم کے خلاف دیا گیا تھا۔ اس فتوے پر حضرت سے دستخط کروالیے گئے۔ جب حقیقت حال واضح ہوئی تو آپ نے ایک تحریری بیان میں اس کی تردید کی اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب کو مجاہد ملت قرار دیا۔ اسی زمانے میں میں نے ایک ملاقات میں اپنے علماء کے اختلافات کا ذکر کیا تو فرمانے لگے۔ اس کا اصل منشا اور علت تم کو معلوم ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا مودودی ہے۔

۱۹۶۳ء کی بات ہے اچھرہ لاہور میں ایک دوست نے حضرت مولانا اور حضرت افغانی کی دعوت کی۔ میں بھی حاضر تھا۔ حضرت افغانی مدظلہ نے دورانِ گفتگو پوچھ لیا کہ حضرت اس عمر میں آپ کی اچھی صحت کا کیا راز ہے؟ فرمایا، عمر بھر دو باتوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ

جس چیز نے ایک بار نقصان دیا ہے پھر اس سے پرہیز کیا۔ دوم: صبح کی سیر کا ناغہ نہیں کیا۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

عمر کی تعیین

مَیں نے کئی مرتبہ عمر پوچھنے کی جسارت کی تو ٹال دیا۔ ایک بار ۱۹۵۷ء میں جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لاہور کے اخبارات میں سے "امروز" نے حضرت کی وفات کی خبر جلی عنوان سے شائع کی۔ مَیں نے صبح ہی امروز کا ایک پرچہ لیا اور ربّانی روڈ پرانی انار کلی حضرت کے گھر حاضر ہو کر اخبار سنایا۔ حضرت مولانا آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے اخبار پڑھتے ہوئے جب یہ پڑھا کہ حضرت مدنی کی عمر وفات کے وقت چھیاسی برس کی تھی تو گہری سوچ میں پڑ گئے اور بار بار فرمایا کہ مولانا مرحوم عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے تھے لیکن اپنی عمر کی تعیین یہاں بھی نہیں فرمائی۔

پھر اس مجلس میں فرمایا کہ مولانا مرحوم کا مجھ سے گہرا تعلق تھا۔ ان کی صدارت کے زمانہ میں ان کی تجویز پر مَیں نے ترمذی شریف پڑھانی شروع کی۔ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دیوبند میں سوائے بخاری شریف کے تمام نصابی کتب پڑھائی ہیں اور اورینٹل کالج لاہور میں ایک عرصہ تک بخاری شریف پڑھاتا رہا۔ چونکہ یہ کتاب مہنگی تھی اس لیے مَیں نے ہی طلباء کی سہولت کے لیے اس کی جگہ ترمذی شریف مولوی فاضل کے نصاب میں رکھوا دی تھی جو اب تک ہے۔

اسی مجلس میں مزید فرمایا کہ جب میں یہاں اورنٹیل کالج میں آگیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان) کو ایک خط دے کر یہاں میرے پاس بھیجا کہ میں واپس دیوبند چلا آؤں لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے عذر کر دیا اور فرمایا کہ وہ خط اب تک میرے پاس ہے۔

حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک بار لاہور میں بعض علماء کی موجودگی میں حضرت کی عمر کا مسئلہ پیش آیا تو حساب سے حضرت کی تدریس کا زمانہ اسّی سال بنا، وہ یوں کہ:-

میرٹھ میں	١٠ سال
دیوبند میں	٢٥ سال
اورنٹیل کالج لاہور میں	٢٥ سال
جامعہ اشرفیہ لاہور میں	٢٠ سال

= ٨٠ سال

پڑھنے کا زمانہ اس کے علاوہ ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ اچھی خاصی عمر میں پڑھنا شروع کیا کرتے تھے۔ اس لیے ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت مولانا کی عمر ایک سو پچیس ١٢٥ یا ایک سو بیس ١٢٠ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ من خویدمہ

علی اصغر

٢٤ جولائی ١٩٧٣ء

تاریک ہوگئی ہے شبستانِ اولیاء اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

شیخ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از محمد عبد الغنی بانی جامع اطہر حال خطیب جامع مسجد بانساں والا بازار لاہور

سعدیا امردِ نکونام نمیرد ہرگز!
مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند

استاذ الاساتذہ شیخ الکل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ پر میرے جیسے تہی دامن اور بے بضاعت آدمی کا مضمون لکھنا بہت مشکل ہے مگر برادر مکرم جناب قاری فیوض الرحمان صاحب ایم اے (صدر شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد) کے اصرار پر یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید خداوند قدوس اسی سے ذریعہ دولتِ صلاح وفلاح سے بہرہ ور فرما دیں، ایک مضمون قلمبند کرتا ہوں۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

شیخ الکل کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن گہرائی موتیوں سے لبریز ہو۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی۔ بعد میں تکمیل کی غرض سے آپ دار العلوم تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں ریل گاڑی وغیرہ نہیں چلتی تھی۔ حضرت گھوڑے پر دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں شیخ الہند

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ حضرت شیخ الہندؒ علوم قاسمی کے امین تھے۔ نیز آپ تمام علوم منقولات و معقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

آپ (حضرت شیخ الہندؒ) کا درس حدیث اپنے دور میں مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی طرز لیے ہوئے تھا۔ درسِ حریت و جذبہ جہاد اور آزادی وطن اس کے نمایاں عنوان تھے۔ آپ کے تبحر علمی نے درسِ حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا۔ آپ کے درس نے آنے والے فتنوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ حضرت شیخ الکل نے انتہائی ذوق و شوق سے علومِ نبوی کو حضرت شیخ الہند سے حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

بیعت و سلوک: بیعت آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دستِ حق پر کی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو سعادت سے بہرہ ور کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح فرما دیتے ہیں کہ آدمی کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ دیکھیے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا واقعہ، آگ لینے کو گئے اور پیمبری مل گئی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھئے احوال
آگ لینے کو جائیں اور پیمبری مل جائے

اسی طرح حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا۔ اس کی تعبیر کے لیے آپ نے حکیم الامت تھانویؒ کی طرف مراجعت کی۔ آپ نے فرمایا، اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ بیعت کا سلسلہ مجھ سے قائم کریں چنانچہ

آپ نے بغیر کسی پس وپیش کے حضرت تھانوی رحؒ کے دستِ حق پر بیعت کی اور خلافتِ عظمٰی سے بھی نوازے گئے۔ آپ حضرت تھانوی رحؒ کے خلیفہٗ مجاز بھی تھے۔

حضرت تھانوی کے شیخ طریقت، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحؒ تھے اور آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں بڑے بڑے اکابر نے آپ سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحؒ آپ ہی کے خلفاء مجازین تھے۔ بہرحال آپ نے حضرت تھانوی رحؒ سے علومِ امدادالٰہی کے اسرار و رموز حاصل کیے۔

تدریس: مشہور اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں آپ نے تقریباً بیس سال پڑھایا (۱۳۳۳ھ تا ۱۳۵۳ھ) اور اورنٹیل کالج لاہور میں بھی پڑھایا۔ اس کے بعد آپ نے پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ میں آخر وقت تک حدیث پڑھاتے رہے نیز بعض دوسرے علوم کی کتابیں بھی آپ نے پڑھائیں۔ قاضی مبارک، تفسیر بیضاوی بھی آپ پڑھاتے رہے۔ آپ تمام معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ قدرت نے آپ کو پڑھانے کا ایسا ملکہ عطا کیا ہوا تھا، کہ جو کتاب بھی آپ پڑھاتے وہ نہایت اعلیٰ پڑھاتے اور طلباء کے ذہن نشین ہوجاتی اور آپ کے درس کی تقریر نہایت جامع اور پُرمغز

ہوتی جس سے طلباء کی پوری پوری تشفی ہوجاتی تھی اور ان کا دامنِ طلب گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کا مکمل نمونہ تھے۔ ہر ہر مسئلہ کو نقلی اور عقلی حیثیت سے سمجھاتے تھے۔ طلباءَ کے سوالات کا نہایت معقول جواب دیتے۔ طلباءَ کے سوالات سے بہت خوش ہوتے تھے۔ اور طلباء آپ کی بے پناہ شفقتوں اور محبتوں کی وجہ سے آپ کے بے حد شیدائی تھے۔ طلباءَ کے ساتھ ایسا معاملہ تھا کہ ہر طالب علم یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مجھ پر بہت مہربان ہیں۔

ناکارۂ خلائق ایبک روڈ مسجد سلطان قطب الدین ایبک میں قیام پذیر تھا۔ حضرت کو دو تین مرتبہ تکلیف دی کہ حضرت ایبک روڈ تشریف لے چلیں۔ حضرت نے کامل شفقت سے قبول فرمایا اور کافی دیر غریب خانہ پر قیام کر کے واپس تشریف لے گئے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو حضرت شیخ الحدیث مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی۔ شیخ الحدیث مولانا میراں شاہ صاحبؒ اندرابی اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی جیسے سینکڑوں فضلاء اور اتقیاء کو سامنے لے آنا حضرت شیخ الکل کو سامنے لے آنا ہے یعنی ان بزرگوں کے علمی اور عملی کارنامے شیخ الکل کے تعارف کی حدِ تام ہے جس کے ایک ایک مقدمے کے آئینے میں شیخ الکل کی تصویر نظر آتی ہے۔

اس ناکارہ کو بھی یہ سعادت میسر ہے کہ چہرۂ انور کے دیدار سے مشرف ہوا ہے اور درسِ حدیث میں آپ کا خوشہ چیں رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے دستِ حق پر بیعت بھی کی لیکن اپنی نالائقی کی وجہ سے کچھ حاصل نہ کر سکا مگر اتنا ضرور ہے کہ شیخ کامل مل گیا اور شیخ کو ایک ناکارہ غلام ضرور مل گیا۔ بس اپنی سعادت کے لیے اتنی نسبت کافی ہے۔

خشیتِ الٰہی: درسِ حدیث میں جب بھی عذاب قبر کا ذکر آتا تو آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے کبھی کبھی درس بھی موقوف کرنا پڑتا اور طلباء بھی اپنے اوپر قابو نہ پا سکتے وہ بھی آپ کے شریک حال ہو جاتے۔

عبادات: حضرت شیخ الکل کا معمول تھا کہ آپ ہمیشہ صفِ اول میں داہنی جانب کھڑے ہوتے۔ شاذ و نادر ہی ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ بائیں جانب کھڑے ہوں۔ نوافل آپ کثرت سے پڑھتے اور اتنی سختی سے اس پر عمل پیرا ہوتے کہ سفر میں بھی ناغہ نہ فرماتے۔

ایک دفعہ احقر حضرتؒ کے ساتھ سفر میں شریک تھا حضرت گھر تشریف لے جا رہے تھے اور احقر ایک ضروری کام کے سلسلے میں راولپنڈی جا رہا تھا تو گاڑی میں آپ نے نہ صرف فرائض کھڑے ہو کر پڑھے بلکہ نوافل بھی آپ نے کھڑے ہو کر ادا کیے۔ یہ حضرت کا معمول تھا جو سفر و حضر میں جاری رہتا تھا۔

بہرحال حضرت کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے۔ نہ گنجد در بیان وصف

کمالش۔ اب کہاں ایسی ہستیاں ہیں اور کہاں ان کو تلاش کیا جائے۔

عرفی! اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن!

یہ چند شکستہ دل سے نکلے ہوئے جملے اللہ رب العزت شرف قبولیت سے نوازے اور حضرت شیخ الکل کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین

اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی اعلی الجنان بحرمۃ سید الانس والجان

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم!

اما بعد

میں بندہ عاجز وخاکسار محمد شفیق الرحمٰن مولانا قاری محمد فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کی فرمائش کے مطابق مولانا محمد رسول خاں صاحب کی سوانح عمری کے متعلق یہ چند صفحات بطور نذر یک پیش کرتا ہوں۔ امید ہے ذاتِ باری تعالیٰ سے کہ اس سے مسلمانانِ اسلام کو ایک گونہ سبق اور درس حیاتِ جاودانی کا موقع ملے گا۔ مولانا مرحوم کی شخصیّت کوئی تعریف کی محتاج نہیں ان کو جو مقام خداوند قدوس کی طرف سے عطا ہوا تھا اس کی عکاسی شاعر اپنے ان اشعار میں کرتا ہے ؎

شیخ و علامہ کہ یکتائے زمانہ باشد ۔۔۔ دیدۂ دہر نہ دانم کہ کجا دید چنیں!
خوب تاریخ رفعنا لک ذکرک آمد ۔۔۔ خوب تر عالم دین خوب تریں شیخ طریق

خیر چونکہ اس دنیا فانی سے ہر کس وناکس، ہر بادشاہ وگدا کو اپنی اجل پر دار البقار کی طرف رحلت کرنا ہی ہے جو کہ ہر انسان کا مقام اصلی اور منتہا وتمنا ہوتی ہے تو اس قانونِ ازلی کے مطابق مولانا موصوف بھی ہمیں داغِ مفارقت دے کر اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن ہوئے اور ہم پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ؎

رحلت حضرت علامہ رسول خان شد
کوہِ غم برسر ہر عالم دین می افتد

میں مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں

نے ایک عالم دین، وارثِ الانبیا کے حالات کو منظرِ عام پر لا کر لوگوں کو استفادہ کا موقع فراہم کرنے کے لیے للہ جانی اور علمی کوشش فرمائی۔ خدا ان کو اس کی جزاء فی الدارین عطا فرمائے اور دینِ نبوی اور خادمانِ دین نبوی کی خدمت (جو ان کی طرزِ زندگی ہے) پر ثواب الدارین عطا فرمائے۔

بندہ محمد شفیق الرحمٰن ننگِ سلف
جامعہ اشرفیہ لاہور

از مولوی شفیق الرحمان صاحب
جامعہ اشرفیہ لاہور

"حضرت رح کے آخری لمحات"

حضرت ناناجی مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر سے وہ حالات جن کا تعلق آپ کی زندگی کے آخری ایام سے ہے درج ذیل ہیں۔

آپ کو ۲۷ شعبان ۱۳۹۱ھ بوقتِ شب معمولی سا بخار ہوا۔ یہ بخار صرف ایک دن ہی رہا۔ مگر اس سے ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ دوائی کا استعمال آپ بادلِ ناخواستہ ہمارے اصرار پر فرماتے تھے۔ ضعف کی وجہ سے آپ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے تھے مگر چند دن تک اس ضعف و نقاہت کے باوجود نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرماتے اور میں سہارا دیتا مگر بعد میں وفات تک ساری نمازیں آپ نے بیٹھ کر ادا فرمائیں۔ کوئی نماز قضا نہ ہوئی اور نہ ہی تیمم کی نوبت آئی۔ برابر وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔ رمضان المبارک سے چند دن قبل اچانک زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تو مجھے فرمایا کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ میری زبان جاری فرما دیں تاکہ میں سورۃ یٰسین پڑھ لوں۔ آپ نے دعا فرمائی میں بھی شریک دعا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے سورہ یٰسین دو تین دفعہ پڑھی اس کے بعد وفات تک آپ کی زبان میں لکنت محسوس نہ ہوئی۔ سورۃ یٰسین

کی تلاوت کے بعد بڑے ہی عجز و انکسار کے ساتھ دعا کی کہ :-

"اے اللہ! آپ کا بڑا ہی احسان ہے کہ آپ نے مجھے سورہ یٰسین کی تلاوت کی توفیق عطا فرمائی"

آپ نے اس کے بعد خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کی۔ وفات سے ایک دن قبل رات کے وقت فرمایا کہ :-

"وہ دیکھو شیطان کمرہ میں گھس آیا ہے"

آپ نے بڑی سختی اور رعب سے فرمایا :-

"اس شیطان کو باہر نکالو"

یہ حال تھا کہ اگر ضعف مانع نہ ہوتا تو خود اٹھ کر اس کی پٹائی کرتے مگر ضعف مانع تھا۔ چنانچہ اہل خانہ میں سے ایک آدمی کو کہا کہ لاٹھی لے کر اسے مارو اور خود انگلی سے شیطان کی طرف اشارہ فرماتے رہے۔ جب تک وہ بھاگا نہیں، برابر اس کی نشاندہی کرتے رہے اور وہ آدمی جس طرف حضرت اشارہ فرماتے لاٹھی مارتا رہا۔ آخر جب وہ بھاگ گیا تو حضرت نے فرمایا، "اللہ کا شکر ہے کہ وہ دفع ہو گیا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "معلوم ہے کہ یہ جرگہ جو آیا ہے اس کی غرض کیا ہے"؟ میں نے کہا کہ یہاں تو کوئی جرگہ نہیں ہے۔ مگر آپ بار بار یہی فرماتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب میں کسی کام سے باہر جا کر واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت چارپائی پر بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ بار بار بڑھا رہے ہیں جس طرح کسی سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ سمجھے یہ جرگہ کن کا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ملائکہ بلشرین سے مصافحہ کر رہے تھے۔ دوسرے دن آپ

کی بڑی صاحبزادی نے آپ سے اپنے گھر جانے کے لئے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:۔

"نہ جاؤ، آج میری آخری رات ہے کل تو میں آپ سے رخصت ہو جاؤں گا"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن آپ نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا بیماری کے دوران آپ فرمایا کرتے کہ:۔

"میری بیمار پرسی کے لیے جو بھی آئے گا وہ ان شاءاللہ جنتی ہوگا"

آپ کی بیمار پرسی کے لیے ان ہی دنوں میں چند حضرات آئے۔ آپ نے خصوصیت سے پوچھا، کیا آپ میری بیمار پرسی کے لیے آئے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا "آپ جنتی ہیں"[1]

اسی بیماری میں ہم نے یہ دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک سے ایک خوشبو نہایت اعلیٰ قسم کی آتی رہی اور آپ کی خدمت میں بیٹھنے سے طبیعت اس خوشبو سے غایت درجہ خوش ہو جاتی۔ آپ نے اپنی وفات کا اشارہ عیدقربان پر فرما دیا تھا کہ جب میں اور ماموں صاحب قربانی لینے جانے لگے تو آپ نے یہ فرمایا کہ:۔

"قربانی نہایت ہی عمدہ خریدنا کیونکہ یہ میری آخری قربانی ہے"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ آپ کی آخری قربانی ہوئی۔ ۴ رمضان المبارک

---

[1] آپ نے فرمایا تھا کہ میرے جنازے میں جس نے شرکت کی وہ حضرات بھی بہت خوش قسمت ہوں گے۔

بروز پیر آپ کی وفات ہوئی۔ اس دن گیارہ بجکر پچیس منٹ پر آپ نے دریافت فرمایا کہ آج کیا دن ہے۔ ہم نے بتایا کہ آج پیر کا دن ہے۔ پھر سب سے دریافت کیا کہ کیا آج پیر ہے۔ اس کے بعد آپ نے سر مبارک سے ٹوپی اتاری اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ آخری کلمات دعائیہ یہ آیت تھی:۔

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

اس کے بعد آپ قبلہ رُخ لیٹ گئے اور گیارہ بجکر ستائیس منٹ پہ جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

کفن

شعبان المعظم میں جب جامعہ اشرفیہ لاہور سے اپنے وطن اچھریاں آنے لگے تو وہ کفن سامنے رکھ لیا جو آپ کے ایک صالح اور مخلص مرید جناب پروفیسر نیاز صاحب حجاز سے لائے تھے۔ اس پر آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھ رکھا تھا کہ

"یہ میرا کفن ہے"

قبر

قبر کے بارے میں بھی ایک سال قبل یہ فرما دیا تھا کہ:۔

"اگر اچھڑیاں" میں انتقال ہو جائے تو اس مقام پر مجھے دفن کرنا" ـــ اب وہیں مدفون ہیں۔

وصیت: یہ وصیت بھی فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے دفن کرنے سے پہلے سورۃ القدر سات مرتبہ اول و آخر درود شریف سات مرتبہ پڑھ کر مٹی پر پھونک کر میری قبر پر چھڑک دینا۔ اس کی برکت سے عذاب قبر سے آدمی محفوظ ہوتا ہے۔

یہ وصیت لکھی ہوئی پڑی ہوئی ملی

حافظ قاری فیوض الرحمان ایم۔اے

سوانح

حضرت مولانا محمد رسول خان صاحبؒ

۱۸۷۱ء ——— ۱۹۷۱ء

ولادت: آپ ۱۲۸۷ھ ۱۸۷۱ء کے لگ بھگ موضع "بانیاں" علاقہ بکری نند ھیاڑ تحصیل بٹگرام ضلع ہزارہ میں مولانا محمود علی بن محمد گل خاں صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ "سواتی پٹھان" تھے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقہ میں حاصل کی۔ اس وقت مستقل مدارس کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ مساجد ہی مدارس کا کام دیتی تھیں۔ بعد ازاں آپ "سوسل گلی" اوگی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا قاضی محمد عبداللہ صاحبؒ سے استفادہ کیا۔ پھر "احمد المدارس سکندر پور" ہری پور ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل حضرت مولانا احمد (جو فاضل ہزاروی کے لقب سے مشہور تھے) سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ زاں بعد آپ نے بوئی گاڑ ضلع کیمبلپور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم: ۱۳۲۰ھ میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتب کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے دورۂ حدیث شریف

پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔ فہرستِ فضلائے دیوبند ہزارہ میں ۲۸ ویں نمبر پر آپ کا اسم گرامی موجود ہے۔

تدریسی خدمات: دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ "امداد الاسلام" میرٹھ میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۳۲ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند میں: آپ مدرسہ "امداد الاسلام" ہی میں پڑھا رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اربابِ اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم تشریف لے آئے۔ دارالعلوم میں آپ نے "میبذی" کا پہلا آزمائشی درس دیا جس میں اربابِ اہتمام کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی موجود تھے۔ یہ روایت حضرت مولانا غلام غوث صاحب مدظلہ کی ہے۔ لیکن حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"پہلا درس شرح وقایہ کا ہوا۔ جس میں ان کا امتحان ہوا، اس درس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب وغیرہم اکابر و اساتذہ سب شریک ہوئے، موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی"۔

ممکن ہے کہ آپ نے دو کتابوں کا آزمائشی درس دیا ہو۔ ۱۳۳۳ھ میں "مدرسِ اعلیٰ" کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۵۳ھ تک برابر ۱۲ سال

اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں: سر محمد شفیع مرحوم کی درخواست پر آپ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی تشریف لے آئے۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۴ء تک اورینٹل کالج میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو پڑھاتے رہے۔ تاریخ اورینٹل کالج مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین صاحب کا درج ذیل اقتباس مطالعہ فرمایئے:-

"عربی زبان وادبیات کے فاضل محمد رسول خان موضع ٹکری میں پیدا ہوئے...... ۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو ان کا تقرر اورینٹل کالج میں بحیثیت صدر مدرس عربی ہوا۔ مولانا رسول خان تقریباً ۲۰ سال تک اورینٹل کالج میں درس وتدریس کی خدمات (ستمبر ۱۹۵۴ء تک) سرانجام دیتے رہے"

جامعہ اشرفیہ میں: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے آخری چار سالوں میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی استدعا پر پہلے جز وقتی پڑھانا شروع کیا اور ستمبر ۱۹۵۴ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ میں پڑھاتے رہے اور جامعہ اشرفیہ کے ساتھ یہ تعلق آخری دم تک رہا۔

وصال: شعبان المعظم کی تعطیلات میں آپ اپنے آبائی وطن "اچھڑیاں" تشریف لے جایا کرتے تھے، شعبان ۱۳۹۱ھ کو لاہور سے حسب معمول وطن مالوف روانہ ہوئے۔ ۱۴ر شعبان کو دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی پہنچے، آخری سبق وہاں پڑھایا اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ یکم رمضان المبارک

کو آپ کو معمولی سا بخار ہوا۔ پہلے دن آپ نے کھڑے ہو کر نمازیں ادا فرمائیں۔ دوسرے اور تیسرے دن بے ہوش رہے مگر نماز کے وقت پورا ہوش آجاتا تھا۔ اس دوران میں آپ نے بیٹھ کر نمازیں پڑھیں۔ انتقال سے کچھ پہلے آپ پورے ہوش و حواس میں تھے۔ مولانا شفیق الرحمان صاحب کیبالوی کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ:

"معزز مہمان آئے ہیں ان کے لیے جگہ خالی کر دیں"۔

اور پھر خود ان سے مصافحہ کرتے ہوئے بھی دیکھے گئے۔

آخری وقت میں سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی اور اپنے نواسے مولوی شفیق الرحمان صاحب سے فرمایا کہ:

"تم بھی سورۂ یٰسین پڑھو۔ تمہارے ساتھ میں بھی پڑھتا رہوں گا تاکہ کہیں غلطی یا بھول نہ ہو"۔

چنانچہ پوری سورۂ یٰسین پڑھ کر ختم کی اور پھر یہ کلمات قرآنی فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کی بات ہے۔

آپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی دور دراز سے عوام اور علماء "اچھڑیاں" پہنچ گئے۔ اخبارات نے جلی عنوان سے انتقال کی خبر شائع کی۔ اگلے روز ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ دن کے ساڑھے دس بجے حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے بعد مولانا موصوف نے شیخ المحدثین کی خدماتِ جلیلہ کو خراجِ تحسین پیش

کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آج یہ ہستی جو ہم سے رخصت ہوئی ہے۔ میں اپنے دل کی آواز آپ کو سنا رہا ہوں کہ پاکستان نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی شاید ہی کوئی عالم ہو جو ان کے فیض سے مستفیض نہ ہوا ہو۔ بڑے بڑے اکابر کے جوتیوں میں بیٹھنے کا موقع ملا، لیکن جو علم ان میں دیکھا بہت کم مجھے دیکھنے میں آیا۔ یکتائے روزگار تھے۔ آپ تو وسیع علم! منطق اور تمام معقولات تو ان کے گھر کی لونڈی تھیں۔ علماء میں کوئی کسی فن میں ماہر ہوتا ہے۔ اور کوئی کسی فن میں لیکن آپ ہر فن میں ماہر تھے۔ کتابوں کے مصنف اگر زندہ ہوتے تو آپ کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتے کہ واللہ! یہ ہمارا مطلب صحیح سمجھے ہیں۔ آپ تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ کے امام تھے جو کتاب بھی پڑھانا شروع کر دیتے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے عمر اسی کتاب کو پڑھانے میں گزر رہی ہے۔ برصغیر میں شاید ہی کوئی عالم ایسا ہو جو آپ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد نہ ہو"

اچھڑیاں ہی کے قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

تعزیتی اداریے

آپ کے وصال کے بعد اخبارات کے علاوہ تقریباً تمام دینی مجلات نے اپنے اداراتی کالموں میں تعزیتی اداریے لکھے اور آپ کی تدریسی خدمات

کو خوب سراہا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور میں مولانا عبد المتین زاہد الراشدی صاحب بن حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں :-

"استاذ المحدثین شیخ العلماء حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب انتقال فرما گئے۔ ملک بھر کے علمی و دینی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

"برصغیر کے نامور عالم دین اور ہزاروں علماء کرام کے مشفق استاذ حضرت العلام مولانا محمد رسول خان صاحب ۲۵ اکتوبر کو اپنے آبائی گاؤں "اچھڑیاں" تحصیل مانسہرہ میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مرحوم برصغیر کے نامور علماء میں بزرگ ترین شخصیت تھے آپ کی عمر ایک سو بیس برس[1] تھی اور پاکستان کے بیشتر جید علماء جن میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دار العلوم دیوبند، شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی، مجاہدِ اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور محدثِ اعظم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ آپ دار العلوم دیوبند میں بھی

---

[1] تحقیق کرنے سے ثابت ہوا کہ آپ کی عمر ایک سو بیس برس نہیں بلکہ ایک سو سال تھی۔ فراغت کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔ مرتب

مدرس رہے ہیں اور آپ کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری ہے۔ بڑھاپے کے باوجود آخر عمر تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

آپ نے ملکی سیاسیات میں بھی ہمیشہ حق پرست علماء کی حمایت کی، گزشتہ انتخابات سے قبل جب چند خود غرض عناصر نے مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے بیانات کو توڑ موڑ کر دھوکہ سے حضرت موصوف سے ایک خود ساختہ فتوے پر دستخط کرا لیے تو صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد آپ نے اپنے دستخطوں سے رجوع فرما لیا اور ایک بیان میں ارشاد فرمایا کہ "میں مولانا ہزاروی کو مجاہدِ اسلام سمجھتا ہوں"۔

حضرت مولانا کی وفات برصغیر پاک وہند کے علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک المناک سانحہ ہے۔ ادارہ ترجمان اسلام دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور دیگر علماء کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔"

(ترجمان اسلام صد ۱۳ بابت ۵ نومبر ۱۹۷۱ء)

ہفت روزہ خدام الدین کے مدیر مولانا مجاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں:۔

استاذ العلماء مولانا رسول خان کا سانحۂ ارتحال

پاکستان کے نامور اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا رسول خان

صاحبؒ تقریباً ایک سو تیس سال کی عمر پاکر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مولانا رسول خان پاکستان کے اکثر علماء کے استاذ تھے اسی مناسبت سے علماء کرام کے حلقہ میں "استاذ العلماءؒ" سے یاد کیے جاتے ہیں اور شیخ المعقول والمنقول کے خطاب سے سرفراز تھے۔ مولانا رسول خان کی علمی و شخصی عظمت کا اندازہ ان کے نامور شاگردوں سے لگایا جاسکتا ہے جن میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی، جمعیۃ علماء اسلام کے سیکرٹری مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا خیر محمد صاحبؒ اور دیگر جلیل القدر علماء کرام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ مولانا رسول خان کی وفات سے پاکستان کے علمی اور دینی حلقے میں جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ شاید صدیوں تک پُر نہ ہوسکے۔

مولانا رسول خان زہد و تقوےٰ اور علم و عمل کے پیکرِ جلیل تھے۔ آپ مختلف مدارسِ عربیہ کے شیخ اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔

مولانا رسول خان وفات سے قبل اپنے وطن ضلع ہزارہ

میں تشریف لے گئے تھے کہ علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جوارِ رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔" (خدام الدین ۱۹ نومبر ۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے فرزند اور "البلاغ" کراچی کے ایڈیٹر مولانا محمد تقی عثمانی ایم اے ایل ایل بی لکھتے ہیں:

"اس مہینے برِصغیر کے استاذ الکل ــــ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی جاں گداز خبر علمی حلقوں پر صاعقہ بن کر گری۔ حضرت موصوف اس وقت تمام علمائے دیوبند کے استاذ تھے اور ان کے ساتھ ایک پوری قرن کا خاتمہ ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس حادثہ سے سارے علمی حلقے یتیم ہوگئے، کون کس کی تعزیت کرے؟ اللہ تعالیٰ حضرت کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ حضرت کا تذکرہ ایک مستقل مضمون[1] چاہتا ہے اور ان شاء اللہ "البلاغ" آئندہ شمارے میں یہ سعادت حاصل کرے گا۔"

(البلاغ بابت ماہ شوال ۱۳۹۱ھ)

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے شیخ الحدیث اور ماہنامہ "انوار مدینہ"

---

[1] افسوس کہ یہ مضمون "البلاغ" میں شائع نہ ہو سکا۔ (مرتب)

کے مدیر حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہٗ "حادثۂ عظیمہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :-

"جامعِ معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، شیخ المحدثین والمفسرین، یادگارِ سلف حضرت مولانا رسول خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وفات تمام اہلِ علم کی نظر میں ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے —— آپ کی وفات پر ہر عالم کو ایسا صدمہ ہے کہ سب ہی ایک دوسرے سے تعزیت کے مستحق ہیں، اور آپ کا وجودِ مسعود سب ہی کے لیے ایک رحمت تھا۔ آپ کی وفات بروز یک شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور جملہ پس ماندگان اہلِ خانہ کو صبر واجر اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تغمدہ اللہ وایانا برحمتہ ورضوانہ آمین (ماہنامہ انوارِ مدینہ بابت ماہ رمضان وشوال ۱۳۹۱ھ)

ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت الاستاذ المحترم مولانا مرحوم کی جدائی نہ صرف پورے برصغیر بلکہ دیگر کئی ممالک کے علمی ودینی حلقوں کے لیے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا

اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی ـــــــــ واقعی موت العالِم موت العالَم کا منظر سامنے ہے اور علاماتِ قیامت میں سے علامت، رفع علم بقبض العلماء کا کامل ظہور ہو رہا ہے۔ حق تعالےٰ مشفق استاذ حضرت مرحوم کو قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز فرما دے اور ہم اخلاف کو ان کے نقشِ قدم اور اسوہ پر چلنے کی توفیق دے۔

ناچیز اور دارالعلوم حقانیہ کے تمام متعلقین مولانا مرحوم کے پس ماندگان اور جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کے ساتھ اس صدمہ میں شریک ہیں۔ اور یہ پوری علمی برادری کا مشترکہ صدمہ ہے۔ رضی اللہ عنہ ورضاہ" (ماہنامہ الحق ۸ بابت ماہ رمضان ۱۳۹۱)

حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ، ماہنامہ "بینات" کراچی کے ادارتی نوٹ میں یوں لکھتے ہیں:۔

"ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب کی وفات سے درس و تدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہو گئی ہے کہ آئندہ صدیوں میں اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ـــــ ویسے تو سب ہی جانے کے لیے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دَور آرہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا۔ آپ کی وفات سے ہند و پاک کی ایک صدی کی علمی

تاریخ کی بساط الٹ گئی۔ آپ کی رحلت علم وتقوےٰ، درس وتدریس حسن ادا، تواضع ووقار، سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وارض عنہ وعاملہ معاملۃ الابرار والصالحین من عبادك الاخیار بفضلك وكرمك یا عزیز یا غفار امین یا رب العالمین

(ماہنامہ بینات ۵۵ بابت ماہ شوال ۱۳۹۱ھ)

ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی کا اداریہ ملاحظہ فرمایئے۔

"پچاسی سال سے علم وحکمت بکھیرنے والی زبان خاموش ہوگئی۔ برصغیر علم وعرفان کے ایک روشن آفتاب سے محروم ہوگیا۔ وہ عالم ربانی جس کی وفات سے علم کا ایک سمندر خشک ہوگیا۔

پاک وہند کے علمی ودینی حلقوں میں یہ اندوہناک خبر سن کر صف ماتم بچھ جائے گی کہ محدّثِ جلیل، فقیہِ نبیل، جامع المعقول والمنقول، عارف کامل، جامع شریعت وطریقت، علامہ زماں تلمیذ خاص شیخ الہندؒ۔ شیخ المحدثین، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ ۳ رمضان المبارک (۱۳۹۱ھ) کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی رحلت سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کے پورا ہونے

کے لیے صدیاں درکار ہیں۔ بڑے بڑے لیڈر اور جابر حکمران تو آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث، عارف، امام المعقولات والمنقولات کے لیے صدیاں درکار ہیں۔

؎ سالہا باید کہ یک کودک از لطفِ طبع
عالم گویا شود یا فاضلِ صاحب سخن!

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اس وقت جبکہ امت مسلمہ ہر طرح کے زوال سے دوچار ہے، ایسے عالم ربانی کا اٹھ جانا امت کے لیے اور بھی نقصانِ عظیم ہے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ "میں اگرچہ گنہگار ہوں لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے فخر بھی ہے کہ مجھ سے وقت کے دو بہت بڑے ولی اللہ خوش ہو کر رخصت ہوئے ہیں۔ ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگ وفات کے وقت مجھ سے خوش تھے ان کی خوشی کو میں اپنے لیے سعادتِ عظمیٰ سمجھتا ہوں" ان کی وفات پر میں وہی دو جملے کہتا ہوں جو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی وفات پر فرمائے

تھے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم نے ابنِ حجرؒ
اور شیخ تقی الدین کو دیکھا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ "دیکھا ہے"۔
جب شاہ صاحب کو دیکھا ہے تو گویا انہیں دیکھا ہے۔" اور دوسرا
جملہ مولانا عثمانی رحمہ نے یہ فرمایا تھا کہ "اس میں شک نہیں کہ تمہیں شاہ
صاحبؒ کی وفات کا صدمہ ہوا ہے لیکن تمہارے لیے ہم بھی
کافی ہیں۔ بتاؤ ہم اپنی پیاس کس سے بجھائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا
فرمائے، ہمارے بھی گناہوں کو معاف فرمائے۔ ان کے پس ماندگان
کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ نومبر ۱۹۷۱ء)

ماہنامہ "الارشاد" کیمبلپور کے اداریہ میں استاذِ محترم حضرت مولانا قاضی
محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور سورج غروب ہو گیا۔
"مجاہدِ جلیل شیخ الہند کے قافلہ علم و حکمت کا آخری مسافر بھی چل بسا"۔
"شیخ المعقول والمنقول مولانا رسول خان کی رحلت"۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذِ اعلیٰ اور جامعہ اشرفیہ
لاہور کے شیخ الحدیث مولانا رسول خان کا مورخہ ۴ رمضان
۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء اپنے آبائی گاؤں "اچھڑیاں"
متصل لبفہ (ہزارہ) میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
حضرت مولانا نے تقریباً ایک سو سال تک علومِ دینیہ کی تدریس

فرمائی ۔ ایشیا کی عظیم الشان دینی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند میں بطور استاذِ اعلیٰ دینی علوم کی تدریس فرمائی، اگرچہ آپ علوم عقلیہ کے فاضل مشہور تھے مگر دراصل آپ دونوں علموں کے بحرِ ذخار تھے ۔ یہ عجیب خوش بختی ہے کہ دیوبند کے گرامی قدر اساتذہ میں سے ضلع ہزارہ کے اس خطہ کے علماء کا بلند مقام تھا مولانا غلام رسول خان رحمۃ اللہ علیہ بھی بفہ کے تھے ۔ آپ کی شاگردی کا شرف شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حاصل تھا ۔ اس آخری دور کے بلند پایہ اساتذہ میں حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ ممتاز مقام پر فائز تھے ۔ آپ کے شاگرد بالواسطہ یا بلا واسطہ لاکھوں کی تعداد میں عالمِ اسلامی میں پائے جاتے ہیں ۔ آپ نے طریقت میں حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی کے ساتھ بیعت کا تعلق فرمایا تھا ۔ نسبت چشتیہ صابریہ میں بلند مقام کے مالک تھے ۔ احقر کا امتحانِ داخلہ دیوبند میں آپ ہی نے لیا تھا اور میرے دورۂ حدیث میں داخلہ کی پُر زور سفارش فرمائی تھی ۔ احقر نے دورۂ حدیث میں صحیح مسلم آپ سے پڑھی تھی ۔ حضرت کی رحلت سے امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ۔ نور اللہ مرقدہٗ احقر حضرت کے لواحقین کے ساتھ اس صدمہ میں برابر کا شریک ہے ۔" (ماہنامہ الارشاد ص۲ بابت ماہ رمضان و شوال ۱۳۹۱ھ)

خطوط

آپؒ کے اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مابین جو خط وکتابت ہوئی۔ اب ذیل میں اسے درج کیا جاتا ہے۔ یہ خطوط مجھے حضرت کے نواسے مولانا شفیق الرحمٰن صاحب متعلم جامعہ اشرفیہ سے ملے ہیں، انہیں من وعن نقل کیا جاتا ہے ——— (مرتب)

از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ

مشفقی مکرمی مولانا رسول خان صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! حامل رقعہ ہذا عزیز احتشام الحق سلمہ[1] میرے خواہرزادہ ہیں لاہور میں کوئی ملازمت کی جگہ خالی ہوئی ہے جس کے لیے انہوں نے بھی درخواست دی ہے۔ صلاحیت کام تو امتحان سے معلوم ہو جائے گی۔ آگے ترجیح کا مسئلہ رہ جاتا ہے اس کے لیے عادتاً سفارش نافع ہوتی ہے۔ اس بناپر عرض ہے کہ ان کے خیال میں آپ کی سفارش ان کی کامیابی میں معین ہوگی۔ اگر کسی مصلحت طبعیہ یا شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو آپ بھی ان کی مدد فرمائیں، یہ دعاگو رہیں گے

والسلام۔ تھانہ بھون۔ ۱۰ شعبان ۱۳۶۱ھ

---

[1] مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مراد ہیں

سیدی و مرشدی جناب حضرت مولانا صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

مؤدبانہ عرض ہے کہ آج بفضلہٖ تعالیٰ اور حضرت کی دعا کی برکت سے مجھ کو مستقل ہونے کا حکم پرنسپل صاحب کی طرف سے ملا ہے، یہاں تقرر ہو گیا ہے الحمد للہ تعالیٰ۔

دار العلوم دیوبند کے رخصت کا ایک ماہ ربیع الاول باقی ہے، یہاں پندرہ دن کے بعد تین ماہ کی تعطیل ہونے والی ہے، اب حضرت کی جیسی رائے عالی ہو وہ علماً اور عملاً نافع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت یہاں ہر طرح کا آرام ہے۔ کسی قسم کی تکلیف بحمدہٖ تعالیٰ پیش نہیں آئی، یکسوئی کافی ہے، دار العلوم کے معاملات بظاہر خطرناک ہیں۔ حضرت سے مخفی نہیں، اب جیسا حضرت کا حکم مبارک ہو احقر اس پر عمل کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ غرض حضرت کا حکم ان شاء اللہ تعالیٰ میرے لیے اصلح ہوگا، یہاں رہنے کا ہو یا واپس دار العلوم دیوبند جانے کا ہو۔ میں اپنے ناقص خیال سے یہاں کے قیام کو دار العلوم کے موجودہ حالات پر ترجیح دیتا ہوں۔ یہاں ہر طرح سے بفضلہٖ تعالیٰ امن سکون ہے۔ دار العلوم دیوبند کو غیر مامون بنانے کی سعی بلیغ ہو رہی، مگر حضرت نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یہ میری ناقص رائے ہے۔ حضرت چونکہ حقائق شناس ہیں اس لیے حضرت کی رائے عالی کے مقابلے میں میری رائے ہیچ ہے اور میں بھی ہیچ ہوں۔ بناءً علیہ حضرت کا حکم اصلح اور واجب العمل ہوگا۔ تعمیل کا منتظر ہوں، سب اہلِ بیت

السلام علیکم عرض کرتے ہیں اور دعا کے ہم سب محتاج ہیں"

نخوید کم الاحقر: محمد رسول خان ازاورنٹیل کالج لاہور

اس کے جواب میں حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"مکرمی دام فیضہم! السلام علیکم

مبارک ہو۔ لیس الخبر کالمعاینۃ۔ آپ نے دونوں جگہوں کا معائنہ فرمالیا ہے، آپ کی ترجیح قابل اعتبار ہے۔ دعا میں بھی کرتا ہوں۔ میرا بھی سلام اور دعا (پشت پر بھی ملاحظہ ہو)

بعد حمد وصلوٰۃ بلیساختہ دل میں آیا کہ توکلاً علی اللہ آپ کو بیعت وتلقین ہر دو امر کی اجازت دوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس سے نفع لازم ومتعدی رونما ہوگا۔ پس اگر کوئی طالب درخواست کرے، قبول فرمالیں اور اپنے خاص محبین کو اس کی اطلاع دے دیں۔ دعا کرتا ہوں۔ والسلام

اشرف علی ۳ ربیع الاول ۵۴ھ"

حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کا خط حضرت تھانوی کے نام اور ان کا جواب:۔

سیدی ومرشدی ومولائی جناب حضرت مولانا صاحب متعنا اللہ بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مؤدبانہ عرض ہے کہ حضرت کا والا نامہ پہنچا، حضرت کی مبارکباد سے بیحد

مسرت ہوئی۔ اکابر کی مبارکبادؔ کی حقیقت منکشف ہوئی۔ عرض دیگر یہ ہے کہ حضرت کے عنایت واجازت امرین سے اور اپنی عدمِ اہلیت کی وجہ سے عجیب کیفیت گریہ وبکا کی عارض ہوئی۔ اسی حالت میں تشکراللہ تعالےٰ دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ رکعتین میں سورہ فاتحہ کا بلااختیار خاص کر اھدنا الصراط المستقیم کا بہت زیادہ تکرار رہا۔ اخلاص و معوذتین کو رکعتین میں پڑھ کر ختم کیا۔ بعد از رکعتین یہ خیال آیا کہ کمالات کے فیضان کے لیے فاعل کا کامل مکمل ہونا کافی ہے قابل کا قابل ہونا بھی فاعل کے تابع ہے اس خیال کے بعد وہ خوف کم ہوا اور کچھ تسکین ہوئی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا کہ ما کان لابن ابی قحافۃ ان یصلی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کما قال موجب اضطراب ہے حضرتؒ اقدس کے ہوتے ہوئے اس نااہل کو بیعت کرنے سے بہت ہی شرم آتی ہے۔ یہ خلجان ہے جو عرض کیا گیا، حضرت کا حکم ہر حال میں واجب التسلیم ہے [۱]

---

[۱] کالج میں منتقل ہونے پر حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔

"یہ خلجان خود مطلوب ہے کیونکہ ناشی ہے اپنے نفس کے استحقار واستصغار سے نیز حضرت ابوبکرؓ کے اس قول کے بعد آخر، پھر ان کو نماز پڑھانی پڑی مگر اس مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہ تھے۔ اس سے غایت مافی الباب شیخ کی مجلس میں عدم اقدام کی سنت ثابت ہوتی ہے نہ کہ شیخ کی حیات میں ہی"

والسلام

نیز حضرتؒ بعیت و تلقین میں اپنی جہالت کی وجہ سے فرق سمجھ میں نہیں آیا[1]۔ حضرتؒ اہفتہ کو تعطیل ہو جائے گی۔ اسی دن انشاء اللہ تعالی مکان[2] جانے کا قصد ہے۔

خویدکم الاحقر:
محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

مرشدی و مولائی حضرت مولانا صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

مؤدبانہ عرض ہے کہ حضرت کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے کا عزم کر چکا تھا کہ اتفاق سے دارالعلوم دیوبند کے حضرت مہتمم صاحب (قاری محمد طیب) کا والانامہ احقر کو ملا، جس میں حضرت ممدوح نے مدرسہ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تم کو دارالعلوم دیوبند کا خیال ہونا چاہیئے۔ کم از کم کالج سے رخصت لے کر دو تین ماہ کے لیے دیوبند آجاؤ۔ پھر گفت و شنید سے باہم جو طے ہو گا اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

---

[1] مرشد تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ:۔
"عرفاً بعیت اصلاح کا التزام قولی ہے اور تلقین التزام فعلی اور احکام دونوں کے متقارب، اگر تعبیر میں عرف کا اتباع نہ کریں تو بجائے ان الفاظ کے التزام قولی و فعلی کا استعمال کریں گے۔"

[2] مکان سے مراد وطن اچھڑیاں (ہزارہ) ہے۔

الفاظ کا ظاہری مطلب یہ ہے، یہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ خیال اب ہفتہ عشرہ میں پیدا ہوا ہے کہ میں خود لاہور پہنچوں اور تم کو اپنے ساتھ دیوبند لے آؤں پھر خط کے جواب آنے پر ملتوی کیا گیا۔

میں نے اس کا جواب لکھا ہے کہ:۔

"میں لاہور حضرت مولانا حکیم الامت مدظلہ العالی کے مشورہ سے آیا ہوں اور دارالعلوم کے واپسی کے متعلق بھی حضرت اقدس کے حکم کا تابع رہوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ دیوبند کی واپسی موقت یا غیر موقت سب حضرت کے اشارات بابرکات سے ہوگی۔

حضرت والا! میری زندگی لاہور میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور حضرت کی دعا کی برکت سے تا حال پُر سکون اور اطمینانِ قلب سے گزر چکی اور ہو رہی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اب حضرت اقدس کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ میرے لیے دین و دنیا کے اعتبار سے کیا بہتر ہے۔ حضرت! یہ خط تا حال ان کے صیغہ راز سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت! یہ بھی عرض ہے کہ میں نے معقولات کی تعلیم کی وجہ سے ریاست رام پور میں مولوی فضل حق مرحوم کی جگہ کو چھوڑا ہے جس میں تنخواہ بھی معقول تھی اور منصب بھی بڑا اچھا۔ اب معقولات کی تعلیم کو مناسب نہیں سمجھتا۔ باقی حضرت کی رائے عالی واجب القبول ہے

خویدکم الاحقر: محمد رسول خان عفا عنہ از اورنٹیل کالج لاہور"

حضرت تھانوی رح نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا:-

"السلام علیکم! میں اگر دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں تو ان کی مصلحت کی تکمیل کے لیے نہ اس لیے کہ دوسروں سے گفتگو کے وقت میرا نام لے کر مجھ پر بوجھ رکھا جائے اور خود بَری ہو جائے، چونکہ آپ نے میرا نام لیا ہے۔ اب مشورہ دینے سے معذور ہوں"۔

اس خط کے جواب میں آپ نے لکھا:-

سیّدی ومولائی حضرت مولانا صاحب! متعنا اللہ من ظلکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

حضرت کا گرامی نامہ پہنچا۔ لبغایت ادب عرض ہے کہ مجھ کو اس جاہلانہ تحریر سے بے حد ندامت ہوئی جس کے بعض کلمات حضرت کے بارِ خاطر عاطر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ یا اللہ اپنے فضل وکرم سے ایسی سمجھ عطا فرما کہ جس سے حضرت کے خدمت عالیہ میں عرض نتیجہ خیز ہو کر حضرت کے فیض سعادت سے مستفیض ہوں۔ اللّٰھم آمین

حضرت! اس اصلاح سے جیسے ویسلموا تسلیما کے موافق خوشی حاصل ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت کے رنج سے بے حد خوف بھی طاری ہے۔ اس لیے حضرت کے عالی خدمت معافی کی درخواست پیش کرتا ہوں اور حق تعالیٰ (سے) دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت کے جوش سے اپنی رحمت کا مرکز بنائے۔ اللّٰھم آمین

بیدك الخیر انك علیٰ كل شیٔ قدیر ۔ صلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔ خویدکم الاحقر :-

محمدؐ رسول خان عفا اللہ عنہ

اس کے جواب میں مرشدِ تھانویؒ نے تحریر فرمایا :-

"السلام علیکم ! سب معاف ہے ۔ میں بھی اپنی جسارت کی معافی چاہتا ہوں ۔ اگر وہ خط بھی ہمراہ آتا تو شاید معافی میں اور بھی معین ہوتا ۔"

المرشد الہادی جناب حضرت مولانا صاحب ! دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ !

مؤدبانہ عرض ہے کہ گزشتہ شب جمعہ کو احقر نے یہ خواب دیکھا کہ جیسے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد رکابیں اوپر تلے رکھ دیا کرتے ایسے ہی غالباً خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں رکھی ہوئی ہیں ۔ حضرت اقدس بھی وہاں پر تشریف فرما ہیں ۔ میں نے اوپر کی ایک رکابی لے کر نیچے رکھ دی ہے ۔ حضرت اقدس نے احقر کو فرمایا کہ تم بڑے متکبر ہو ۔ اس کے بعد اس مجلس سے حضرت تشریف لے جاتے وقت تیز نگاہِ مبارک سے احقر کی طرف دیکھ کر حضرت تشریف لے گئے ۔ پھر آنکھ کھل گئی تو بہت زیادہ پریشان ہوا[1]

---

[1] خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی آپ کی طرف متوجہ ہوئی ۔

اس خواب کے بعد دوسرے دن ایک شخص حالق اللحیہ آیا۔ اس نے احقر سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اس خواب اور شخص کے حالات کی وجہ سے اس شخص کو یہ جواب دیا کہ مجھ کو بیعت کرنے میں تردّد ہے اس لیے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں عریضہ بھیجوں گا۔ اگر حضرت نے اجازت دی تو میں بیعت کر دوں گا ورنہ نہیں۔ حضرت یہ پہلا شخص ہے جس نے بیعت کی خواہش ظاہر کی ہے۔ حضرت کی اجازت سے قبل بہت اشخاص نے بیعت کی خواہش ظاہر کی تھی مگر چونکہ اجازت نہ تھی اس لیے انکار تھا۔ اب میں نے اس خواب کی وجہ سے اس امر کو اجازت پر معلق کر دیا ہے۔ جیسی رائے مبارک ہو حاضر ہوں[۱]۔

اگر اجازت ہو تو مؤدبانہ عرض ہے کہ احقر کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضرت بوقتِ بیعت جو کلماتِ طیبہ[۲] فرماتے ہیں وہ کلمات طیبہ یقیناً احقر کے الفاظ سے بدرجہا انشاء اللہ تعالیٰ باعث رشد و ہدایت و برکات ہوں گے۔ اگر حضرت کے قلم مبارک سے یہ نور احقر کو مل جائے تو نفع عظیم کی کامل امید ہے اور دلی تمنا بھی پوری ہو جائے گی۔ دل کی بات عرض کر دی اب جو حکم مبارک جس طرح ہو گا حاضر ہوں۔ جس شخص نے بیعت کی خواہش کی ہے اس کا نام، عہدہ یہ ہے عبدالحمید بی ایس سی دفتر انسپکٹر جنرل سول شفا خانہ جات لاہور۔ نیز یہ بھی عرض ہے کہ حضرت کالج میں اس سال

---

[۱] اس کے جواب میں حضرت تھانوی رحؒ نے لکھا۔
"ضرور کر لیا جاوے بشرطیکہ حلق لحیہ سے بھی توبہ کرے"
[۲] حاشیہ بر صد

ترمذی شریف اور مسلم کا بحر العلوم اور اشارات یہ تین سبق شروع ہوئے ہیں حضرت کی دعا کی برکت سے طلب کی کثرت ہے۔ اور ہر طرح سے آرام ہے یہ محض حضرت کی توجہ اور برکت کا اثر ہے۔ حضرت دعا کا محتاج ہوں سب گھر والے السلام علیکم عرض کرتے ہیں اور دعا کے متمنی ہیں۔

خویدکم الاحقر:-

محمد رسول خان از اورنٹیل کالج لاہور

حاشیہ صہ اس کے جواب میں حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا:-

"بعد خطبہ و آیات کے ہاتھ میں ہاتھ لیکر یہ الفاظ معمول ہیں۔ کہو توبہ کرتا ہوں شرک سے اور کفر سے اور بدعت سے اور تمام صغائر و کبائر سے اور ایمان لاتا ہوں اللہ اور رسول پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور عہد کرتا ہوں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھوں گا، رمضان کے روزے رکھوں گا، اگر مال ہوا تو زکوٰۃ دوں گا۔ اگر زیادہ گنجائش ہوئی تو حج کروں گا اور جہاں تک ہو سکے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام بجالاؤں گا اور جن چیزوں سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے ان سے بچوں گا اور اگر کوئی خطا ہو جائے گی۔ فوراً توبہ کروں گا۔ بیعت ہوتا ہوں سلسلہ چشتیہ اور قادریہ اور نقشبندیہ اور سہروردیہ میں۔ اے اللہ! ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب فرما اور قیامت میں ان بزرگوں کی جماعت میں ہم کو اٹھا۔ آمین یارب العالمین۔

اس کے بعد دونوں یعنی شیخ و طالب ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔ عمل صالح، تقویٰ و ثبات علی الصراط المستقیم و حسن خاتمہ کی و مغفرت ذنوب و حفاظت عن الذنوب

چند پوسٹ کارڈز

بھی ملاحظہ فرمائیں

(۱)

"مولانا! السلام علیکم! محبت نامہ نے مسرور فرمایا، سب مقاصد کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں، باقی خیریت ہے، گھر والوں کو سلام (۱۴ر دسمبر ۱۹۳۳ء)

والسلام اشرف علی"

(۲)

"مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ آپ کے اور گھر والوں کے لیے دعا کرتا ہوں (۲۴ر اپریل ۱۹۳۷ء)"

(۳)

"السلام علیکم! واقعی زیادہ بیمار ہوگیا تھا مگر اب بفضلہٖ تعالیٰ بالکل خیریت سے ہوں۔ اطمینان فرمائیں، باقی خیریت ہے۔ محتاج دعا ہوں۔

اشرف علی۔ ۲۹ر نومبر ۳۸ء)

(۴)

"السلام علیکم! عود عید مبارک ہو۔ اشرف علی۔ ۱۷ر جون ۱۹۳۲ء"

(۵)

مولانا! السلام علیکم! الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ سب مقاصد کے

لیے دعا کرتا ہوں۔ غالباً اب وہ روپیہ ختم ہو چکا ہے۔ اشرف علی ستمبر ۱۹۳۵ء)

(۶)

مولانا! السلام علیکم! یاد آوری سے مسرور ہوا۔ دعائے خیر ظاہر باطن کرتا ہوں۔ میں بھی خیریت سے ہوں۔ سب کو سلام۔

اشرف علی (۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

(۷)

مولانا! السلام علیکم! آپ کی تشویش سے تشویش ہوئی۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان سب تشویشات کو رفع درجات اور ایسی تشویشات سے ہمیشہ محفوظ رکھے (اشرف علی ۲۵ جولائی ۳۳ء)

(۸)

مولانا! دام فیضہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! محبت نامہ نے مسرور فرمایا۔ جزاکم اللہ علیٰ ما سر تمونی، میں بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہوں۔ احباب کے لیے دعائے فلاح ظاہری وباطنی کرتا ہوں۔ سب گھر والوں کو سلام۔ (اشرف علی ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء)

(۹)

السلام علیکم! اس طرح اصل اعمال کی توکیف ہی ہے گوکم ہی ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طرح تکمیل ہو جاوے گی، دعا کرتا ہوں اور بچوں کو اور ان کی والدہ کو سلام ودعا۔ (۱۶ مئی ۱۹۳۲ء)

اشرف علی

(۱۰)

"مولانا! السلام علیکم! کچھ کچھ ضرور کرتے رہیئے. اسی سے سب کچھ ہو جاوے گا۔ اشرف علی (۲۷ر مارچ ۳۲ء)

الشرط الذی لا یقتضیه العقد ان ثبت

شرعا او عرفا او یتضمن التوثق بالثمن"

حضرتؒ کے انتقال پر

اکابر کے چند تعزیتی خطوط

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت المحترم زید مجدکم السامی! سلام مسنون نیاز مقرون ۱۱ر رمضان ۱۳۹۱ھ کو لائل پور کے ایک خط سے حضرت مولانا رسول خان صاحب کے انتقال پُر ملال کا علم ہو کر دل کو انتہائی صدمہ پہنچا، مجھے خصوصیت سے اس لیے کہ میرے اساتذہ میں صرف وہی باقی رہ گئے تھے اور بے حد شفیق استاذ تھے اور بالعموم اس لیے کہ اب ایسے عمیق علم وفہم کے حامل اور علوم دینیہ وعقلیہ کے مبصر کہاں پیدا ہوتے اور پیدا بھی ہو جائیں تو ذہن

سابقین کی صحبت و معیت سے ان کا بنا تھا وہ کہاں سے لائیں گے۔ یہ چند در چند وجوہ ہیں جنہوں نے اس صدمے کو بہت بڑھا دیا ہے اور ایک دفعہ تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آگیا ہے۔ حق تعالیٰ ان کے امثال سے ہمیں نوازے۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقاماتِ بلند عطا فرمائے اور ہم پس ماندگان کو صبر کے ساتھ ان کے امثال سے نوازے۔

یہ غم تو ایسا تھا کہ حاضر ہو کر تعزیت کرنی چاہیے تھی مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ بات بس کی نہیں ہے۔ دارالعلوم میں اس خبر کے آتے ہی تمام موجودین طلبہ و اساتذہ متاثر ہوئے، اور ختم شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا۔ لیکن تعطیل کا زمانہ ہے مجمع موجود نہیں نہ طلبہ ہیں نہ اساتذہ الا القلیل۔ اس لیے یہ خیال ہے کہ شوال میں دارالعلوم کھلتے ہی سارے مجمع سے دوبارہ ختم پڑھوا کر ایصال ثواب کرایا جائے کیونکہ حضرت مولانا ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم کے احاطے میں فیض رساں رہے ہیں اور دارالعلوم پر ان کا حق ہے۔

محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۶-۹-۹۱ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی تحریر فرماتے ہیں:

"عزیز محترم شفیق الرحمٰن صاحب سلمہ ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، حضرت الاستاذ کی وفات پر دار العلوم میں کئی مرتبہ ختم قرآن اور "البلاغ" اور اخبارات میں اس حادثۂ فاجعہ پر تاثرات کو شائع تو کر دیا تھا مگر حضرت مرحوم کی اولاد کہاں کہاں ہے ان کا پتہ معلوم نہ تھا، اس لیے تعزیت نامہ لکھنے میں کوتاہی ہوئی جس پر نادم ہوں ——— اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرماویں اور مولانا کے نقش قدم پر چلنے، اللہ کی یاد، آخرت کی فکر میں لگاویں۔ احقر کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں تو عنایت ہوگی۔ والسلام

بندہ محمد شفیع ۱۷/۱۱/۹۱ھ"

حضرت مولانا عبد الحق صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں :———

"حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے بہت مشفق اور مہربان استاذ تھے۔ ان کے لیے بندہ ہر وقت اور ہر درس کے بعد خصوصی دعائیں کرتا رہتا ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمالیں۔ ربّ العزت ان کی قبر مبارک کو جنت کا باغیچہ بنادے اور ان کی روحانی برکتیں آپ اور ہم پر ہمیشہ کے لیے قائم ودائم رکھیں والسلام۔ عبد الحق غفرلہٗ ۱/۲/ھ

حضرت مولانا حافظ عبدالمجید نابینا صدر انجمن اشاعۃ العلوم لائل پور تحریر فرماتے ہیں:۔

"محترم المقام! زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! انجمن اشاعۃ العلوم رجسٹرڈ کے اجلاس منعقدہ جمعرات ۶ر جنوری ۱۹۷۲ء میں ممبرانِ مجلسِ شوریٰ نے حضرتِ اقدس مولانا محمد رسول خان صاحب کے حادثۂ عظیمہ کو غم واندوہ کے ساتھ محسوس کیا۔ حضرت مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور دعا کی کہ جملہ متعلقین و منتسبین کو صبر جمیل اور اپنی رضامندی کے اعلیٰ مدارج نصیب فرمائے۔۔۔۔۔۔ حکیم حافظ عبدالمجید نابینا"

حضرت مولانا حافظ قاری عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور رقمطراز ہیں:۔

"عزیزم میاں شفیق الرحمان سلمہ اللہ تعالیٰ! حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب مرحوم ومغفور کے غیر متوقع انتقال پُر ملال پر جس قدر بھی رنج وغم کیا جائے وہ کم ہی کم ہے۔ جامعہ جہاں حضرت والا کی باکمال ذات بابرکات سے محروم ہوا وہاں ان کے علم وفن، زہد وتقوےٰ، حسنِ اخلاق اور

بے بہا شفقتوں سے محروم ہوگیا ہے اور اس عظیم حادثہ سے وہ خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا فی زمانہ مشکل ہے۔ اب تو حضرت کی ہر بات اور ہر ادا کو یاد کرکے روتے ہی رہیں گے۔ حضرت کو جامعہ سے خصوصی تعلق تھا اور ہم لوگوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ والد محترم حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت کی سرپرستی ہمارے لیے ایک سہارا تھی جس سے محروم ہو کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ اب تو ہمارے لیے آپ اور جملہ متعلقین کے لیے یہی ایک راہ ہے کہ حضرت کے ایصالِ ثواب کے لیے جس قدر بھی ممکن ہو قرآن کریم پڑھیں اور بخشیں۔ انتقال کی خبر سننے کے بعد سے مدرسہ میں روزانہ دو تین قرآن کریم ختم کرائے گئے اور جمعہ کی نماز کے بعد خصوصی اعلان کرکے قرآن کریم ختم کرایا جارہا ہے جس میں ان شاء اللہ کافی متعلقین حصہ لیں گے اور حضرت کو ایصال ثواب کریں گے۔ طلبہ وارا کینِ مدرسہ اور ہم سب آپ لوگوں کے اس غم کے برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قبول

فرماکر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا تصور ذہن سے قطعاً نہیں اترتا اور جبکہ حضرت والا کی قیام گاہ سے گزر ہوتا ہے تو دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ بعض طلبہ تو دیوانہ وار حضرت کے مکان کے سامنے کھڑے روتے رہتے ہیں۔ فی الحقیقت ان کے جنتی ہونے میں تو کوئی شبہ والی بات ہی نہیں اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے۔ آمین

تقریباً ایک ہفتہ سے بخار میں مبتلا ہوں۔ اسی وجہ سے حضرت کے آخری دیدار سے بھی محروم رہا ہوں۔ محترمہ نانی صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد دعا کی درخواست پیش کریں ——— والدعا

محمد عبید اللہ

آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبد العلی صاحب جو مدراس (ربن بلڈنگ) میں مقیم تھے جب انہیں آپ کے انتقال کا علم ہوا تو وہاں سے عمران صاحب کو درج ذیل تار ارسال فرمائی۔

"please, Accept my Sincere condolence on your father death - Abdul Ali" (۵ نومبر ۱۹۷۱ء)

مراثی

تعزیتی اداریوں کے علاوہ بعض دینی مجلات میں مراثی بھی شائع ہوئے ماہنامہ "البلاغ" کراچی بابت ماہ جون ۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے "مرثیہ تاریخی" کے عنوان سے عربی زبان میں ۱۹ شعر تحریر فرمائے ہیں۔ اس مرثیہ کو راقم کے اردو ترجمہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیے :-

مرثیۃ تاریخیۃ

استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ یا لشیخ نبیل، نبہٍ، کامل	ماہر، باہر، معظم، مفضل
۲۔ بحر معقول علم و منقولہ	منہما کان مستعذب المنہل
۳۔ کل شک وصعب واغلوقۃ	حین لاقیتہ صار فی معزل
۴۔ عقدۃ او عویص اذا ابہمت	فہو فی ظلمۃ الجہل کالمشعل
۵۔ حاذق فی الفنون امام لہا	فی علوم الشرائع من کمل
۶۔ لوذعی تبدت خبایالہ	المعی صعاب لہ تنجلی
۷۔ سائل العلم فی ای وقت عرا	انجح الارب منہ ولم یبخل
۸۔ بارع فی علوم الہدی التقی	جامع للطریق و شرع جلی

۹۔ قدوة فی المعارف والعلم اذ — فی المعالی خلیفة اشرف علی

۱۰۔ قلبه مهبط الفیض مطاره — صدره کان بالعشق کالمرجل

۱۱۔ کان فی میرٹھ ثم فی دیوبند — ثم اورنتیل وهو درسا یلی

۱۲۔ ثم فی الاشرفیة حتی انقضی — راغبا فی جنان وقصر علی

۱۳۔ شیخ اشیاخ الاشیاخ فی عصرنا — من تلامذه اکثر الکمل

۱۴۔ اجریان، اجریان ثم ما اجریان — سالت العین منها بفیض حلی

۱۵۔ فات شیخ (۱۳۹۱ھ) ولم ادر من مثله — فی اکابر او افضل امثل

۱۶۔ ظل ترنا تماما یدرسنا — ثم تدریسه کیف؟ لا تسأل

۱۷۔ فات فیضک (۱۳۹۱ھ) یا طالعا جنة — طاب شواک یا طیب المنزل

۱۸۔ فات فضل (۱۳۹۱ھ) اذا فت یا شیخنا — این فی العصر شیخ عظیم ولی

۱۹۔ هاتف الغیب فی ارخ ترحاله — راضی الله عن نفسه قال لی (۱۳۹۱ھ)

(ترجمہ) اسے ذہین وفطین اور کامل شیخ! ماہر، فائق اور بڑی عظمت وفضیلت کے مالک!

۲۔ آپ معقولات ومنقولات کے سمندر ہیں جن کی وجہ سے آپ چشمۂ شیریں بنے۔

۳۔ تمام علمی شکوک وعلمی مسائل جب آپ کو درپیش ہوئے تو آسان ہوگئے

۴۔ جب تمام علمی مشکلات اور عقدے مبہم ہوئے تو آپ ظلمتِ جہل میں مشعل کی مانند تھے۔

۵۔ آپ تمام فنون کے ماہر اور امام تھے اور علوم شریعت میں آپ

کاملین میں سے تھے۔

۶۔ آپ لوذعیؔ[1] تھے جن کے لیے مخفی امور ظاہر ہو گئے، آپ المعیؔ تھے جن کے لیے مشکلات مشکلات نہ رہیں۔

۷۔ جب بھی کوئی علم کا سائل آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اس کی حاجت پوری کرنے میں کوئی بخل نہ کیا۔

۸۔ آپ علومِ ظاہری و باطنی میں بہت بلند اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔

۹۔ آپ علوم و معارف کے مقتدا تھے، اس لیے کہ آپ مراتبِ عالیہ میں (حضرت مولانا) اشرف علیؒ کے خلیفہ تھے۔

۱۰۔ آپ کا دل فیض کا مہبط (محل) تھا اور آپ اسے بارش کی طرح برساتے تھے اور آپ کا سینہ عشق (الٰہی) سے جوش مارنے والی ہنڈیا کی طرح تھا۔

۱۱۔ آپ جنت اور اس کے اونچے محلات کی رغبت کرتے ہوئے

۱۲۔ پہلے میرٹھ پھر دیوبند، بعد ازاں اورنٹیل کالج اور اس کے بعد آخری وقت تک جامعہ اشرفیہ میں پڑھاتے رہے۔

۱۳۔ آپ ہمارے زمانے کے اساتذہ کے استاذوں کے بھی استاذ تھے اور اکثر کاملین آپ ہی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

---

[1] اللوذع اور اللوذعی فصیح اللسان کو کہتے ہیں جو اپنے ذہن کی تیزی اور فصاحت سے دوسرے کو جلا کر ڈھیر کر دے۔ الالمع اور الالمعی روشن دماغ ذکی۔

۱۴۔ اچھڑیاں (حضرت کے گاؤں کا نام) اچھڑیاں! آپ جانتے ہیں کہ اچھڑیاں کیا ہیں؟ (وہ جگہ ہے کہ) اس سے فیض کا میٹھا چشمہ بہہ نکلا۔

۱۵۔ فوت ہوئے شیخ! اور میں نہیں جانتا کہ اکابر اور ان کے معاصرین میں کوئی ان جیسا ہو۔

۱۶۔ وہ پوری ایک صدی تک ہمیں درس دیتے رہے، پھر آپ کی تدریس کیسی تھی؟ بس نہ پوچھیئے!

۱۷۔ اے جنت میں پہنچنے والے! آپ کا وہ فیض باقی نہ رہا، اے بہترین منزل والے! آپ کا ٹھکانہ اچھا ہوا۔

۱۸۔ اے ہمارے شیخ! آپ کی موت علم و فضل کی موت ہے اتنا بڑا شیخ اور ولی اس زمانہ میں کہاں؟

۱۹۔ ہاتفِ غیب نے آپ کی تاریخ وصال مجھ سے یوں کہی ——
رضی اللہ عن نفسہٖ کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا۔

۱۳۹۱ھ

مرثیہ نمبر ۲ عربی

از حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

شیخ المشائخ امام المعقول حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قِفَا وَانْدُبَا اَطْلَالَ دُوْرِ الْاَحِبَّةِ

وَقَدْ اَقْفَرَتْ دَهْرًا الِرِحْلَةِ رُحْلَةِ

۲- رُسوماً باجريان و لاهو رطالما
شرِبنا بهارَ يّاكُؤُوسَ المحبّة

۳- يقِفي ناقِتى فى اجريان ساعةً نزُرُ
قبُوراً فيها قبرُ شيخ المشيخة

۴- ضريحُ رسُولِ خانَ روضُ منوّرُ
و قد غابَ نجمُ العلم فى روضِ جنّة

۵- اَجَلُّ الرزايا اَن يَموتَ محدِّثٌ
كشيخِي رسُولِ خانَ صاحبُ عظمة

۶- ولو طفتَ كُلَّ الاَرضِ لم ترَ مثلَهُ
حكيماً كريماً ذا وداد و هيبة

۷- فمالكَ يا قلبى تجوش مِن الشّجا
و قد كنتَ مشهوراً بِشدّة قسوَة

۸- نَعم كنتُ اَعتقتُ العيُونَ مِن البكا
و قد زادهُ حُزنى عليكُم و شجوتى

۹- تملّكَ اَجفانى سُهادٌ وَ جَانبي
نأى مِن فراشٍ نفرةً بعدكُم بة

۱۰- رحلتم فكم مِن اَنةٍ بَعْدَ حَنّة
مُبَيّنةٍ لِلنّاسِ حُزنَ البرِيّة

١١- حيارى غشتهم صاعقاتٌ وصيّبٌ
ورعدٌ وبرقٌ ظلمةٌ فوقَ ظلمةِ

١٢- فأُفٍّ لِدنيا لا يدوم نعيمها
ولا تؤمِنَنْ يومًا نوائبَ سطوةِ

١٣- وتضحك طورًا ثُمَّ تُبكيك تارةً
تُقلّبُنا ظهرًا لبطنٍ كريشةِ

١٤- فمَن لِأحاديثِ النّبي يُسلّيها
إلانةَ داؤدَ الحديدَ بسرعةِ

١٥- ومَن لِإشاراتِ ابن سِينا يحُلّها
ويُظهِر فيها نُكتةً بَعْدَ نُكتةِ

١٦- ومَن لعِطاش العلم يَسْقيهِم كما
سقى المُزنُ أرضًا ميتةً بعد جدبةِ

١٧- ومَن لِلحيارى كالحبارى يدُلّهم
سبيلَ الكرام السالفين بِحُجّةِ

١٨- ومَن لأحاديثِ الرسول يُذِيعها
إذاعةَ شمسٍ نورَها بعد دُجيةِ

١٩- فدرّسها دهرًا مديدًا فأصبحتْ
تَشَعشَع منها النورُ في كُلّ خِطّةِ

٢٠- ومَن ذا الّذى لم يستفدْ من ضيائهٖ
ولكنْ قليلٌ من يؤدّى شُكرَ نعمةٖ

٢١- سما بشعار الصالحين وهديهم
وأعلىٰ رسُومَ الدينِ فى كُلّ جلوةٖ

٢٢- لهٗ سيرةٌ مرضيّةٌ وسريرةٌ
تُضيئ بنور المصطفىٰ نور سنّةٖ

٢٣- فجودُكَ موجودٌ وفضلُكَ فائضٌ
وعلمُكَ لِلرّاجين خيرُ سفينةٖ

٢٤- ذهبتْمْ فأبكيتُم وذا حالُ كُلِّ مَن
بكىٰ خاشعًا لله فى كُلّ خلوةٖ

٢٥- وقارَبَنا نحسٌ وفارَق سعدُنا
وخالفَنى جدّى وضاعَ شِقوتى

٢٦- فتبكيكَ أرضٌ مَعْ سماءٍ وأنجمٌ
وبرٌّ وبحرٌّ ثمّ حيتانُ لُجّةٖ

٢٧- ويَبكيكَ مشكوٰةُ المصابيح بعدَما
خلتْ مِن مصابيحٍ وأنوارِ بهجةٖ

٢٨- أشيخَ شيوخى مَن يخالُكَ ميّتًا
وذكرُكَ مِسكٌ فاح فى كلّ حفلةٖ

۲۹۔ أَشيخَ الشيوخ اذهبَ نوالله لم تمتْ
و هل مات مَن قد خاض فی بحرِ رحمۃٍ

۳۰۔ أَشيخَ الشيوخ اذهبْ فنبكيك دائمًا
اذا اقبلت شمسُ السّما او تولّت

(ترجمہ) میرے دورفیقو! ٹھہرو۔ دوستوں کے گھروں کے کھنڈرات پر نوحہ کریں جو مدتِ طویل سے اجڑے پڑے ہیں استادِ علماء کی جدائی کے سبب۔

۲۔ (مولانا رسول خان مرحوم کے) قصبہ اچھڑیاں اور لاہور میں نشانہائے محفل ہیں (جن میں ہم نے محبتِ خدا کے لبالب پُر پیالے نوش کیے تھے۔

۳۔ اے میری ناقہ سفر! اچھڑیاں میں ایک ساعت ٹھہریئے تاکہ ان قبروں کی زیارت کریں جن میں ایک قبر شیخ المشائخ کی ہے۔

۴۔ مولانا رسول خان کی قبر ایک روشن باغیچہ ہے۔ اسی جلتی باغیچہ میں علم کا ایک روشن تارا ڈوب گیا۔

۵۔ اسلام کے لیے سب سے بڑا المیہ بڑے محدّث مولانا رسول خان مرحوم جیسے صاحبِ عظمت کی موت ہے۔

۶۔ اگر ساری زمین کا چکر لگالیں تو اس کی نظیر نہ دیکھ سکو گے۔ دانا، عزت والا، جمال وجلال کا مجمع۔

۷۔ اے میرے دل! کیا بات ہے، غم کا اتنا جوش کیوں؟ جبکہ

سخت قساوت میں آپ کی شہرت تھی۔

۸۔ ہاں ہاں! میں نے آنکھوں کو آئندہ کے لیے پنجۂ غم سے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن میرے شیخ! آپ پر غم واندوہ نے آنکھوں کو دوبارہ اسیرِ غم کر دیا۔

۹۔ بے خوابی میری آنکھوں پر غالب ہوئی اور میرا پہلو اس غم کے بعد بسترۂ استراحت سے نفرت کرتے ہوتے دور رہتا ہے۔

۱۰۔ آپ کی رحلت پر ہر طرف چیخ و پکار زمین پر ساری مخلوق کے غم کی نشان دہی کرتی ہے۔

۱۱۔ لوگ حیران ہیں، ان کو آسمانی بجلیوں، طوفانِ باراں، رعد و برق اور گھٹا ٹوپ تاریکی نے آگھیرا ہے۔

۱۲۔ تف ہو دنیا پر، اس کی کوئی نعمت دائمی نہیں اور ہم ایک روز بھی اس کے خطرناک حملوں سے چین سے نہیں بیٹھ سکیں گے۔

۱۳۔ یہ دنیا کبھی رُلاتی ہے اور کبھی ہنساتی ہے۔ پرندے کے پَر کی طرح ہمیں ادھر اودھر الٹتی رہتی ہے۔

۱۴۔ اب کون ہے کہ مشکل احادیث کو یوں نرم و آسان کرے، جس طرح داؤد علیہ السلام لوہے کو جلدی سے نرم کر لیتے تھے۔

۱۵۔ اب کون ہے کہ ابن سینا کی کتاب اشارات کو حل کر کے اس میں نکتہ چینی کرے۔

۱۶۔ اب کون ہے کہ تشنگانِ علم کو ایسا سیراب کرے جس طرح بادل

مردہ زمین کو خزاں کے بعد سیراب کرتا ہے۔

۱۷۔ اب کون ہے کہ جاڑے پرندے کی طرح حیران و پریشان لوگوں کو دلائل سے سلف صالحین کا راستہ بتائے۔

۱۸۔ اب کون ہے کہ احادیث کی ایسی اشاعت کرے جس طرح آفتاب تاریکی کے بعد اپنی کرنیں بکھیرتا ہے۔

۱۹۔ آپ نے مدّت مدید تک احادیث کا ایسا درس دیا جس سے نورِ علمِ دین زمین کے چپّہ چپّہ میں چمکا۔

۲۰۔ کون ہے جس نے آپ کی علمی ضیا سے استفادہ نہیں کیا لیکن افسوس کہ شکرگزار دنیا میں کم ہوتے ہیں۔

۲۱۔ آپ نے بزرگوں کی سیرت و خصلت کو اپنایا اور ہر مجلس میں دینی احکام کو بلند کیا۔

۲۲۔ آپ پسندیدہ سیرت اور نیک خیالات والے تھے جو نورِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے روشن تھے۔

۲۳۔ آپ کی علمی بارش سدا برستی رہے گی۔ آپ کا فضل جاری ہے اور آپ کا علم امیدوارانِ علم کے لیے بہترین سفینہ ہے

۲۴۔ آپ رخصت ہوئے تو دنیا کو رلایا اور یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو خلوت میں اللہ کے سامنے خشوع کرتے ہوئے روتا ہے

۲۵۔ آپ کے فراق سے ہماری نحوست آئی اور سعادت رخصت ہوئی۔ میرا بخت مخالف ہوا اور بدبختی غالب ہوئی۔

۲۶۔ پس زمین، آسمان، ستارے، بحر و بر اور سمندر کی مچھلیاں سب آپ پر ماتم کناں ہیں۔

۲۷۔ احادیث کی درسگاہیں آپ پر روتی ہیں کیونکہ آپ کے بعد وہ علمی چراغوں اور انوار سے خالی ہوئیں۔

۲۸۔ اے شیخ المشائخ! آپ کو مردہ کون خیال کر سکتا ہے جبکہ آپ کا ذکرِ جمیل ہر محفل میں مشک کی مانند مہکتا ہے۔

۲۹۔ اے استاذِ علماء اجابیئے، آپ مرے نہیں۔ کیا وہ شخص مردہ کہلا سکتا ہے جو رحمتِ خدا کے سمندر میں جا گھسا ہو۔

۳۰۔ اے استاذِ فضلاء اجابیئے، ہم سدا آپ کے غم میں روئیں گے آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت۔

جامعہ اشرفیہ کے استاذِ حدیث حضرت مولانا محمد موسےٰ روحانی بازی، استاذ العلماء مولانا محمد رسول خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر "غم کے چند آنسو" کے تحت اپنے خیالات کو یوں بھی نظم کرتے ہیں:۔

نالہ و فریاد سے اہلِ جہاں مانوس ہیں
ہم اسی زنجیرِ عالم گیر میں محبوس ہیں
یہ جہانِ رنگ و بو وابستۂ تقدیر ہے
اور فنا کے واسطے ہی آہ یہ تعمیر ہے

نغمۂ بلبل ہو یا ہو اشک کا سیلِ رواں
مبتلائے غم یا خنداں ہو یا شاہِ جہاں
کوئی بھی قائم نہیں، یہ آشیاں سالم نہیں
آشیاں کے طائر و بزمِ جہاں دائم نہیں
انس و جنؔ مامور ہیں، ارض و سما مقہور ہیں
آفتاب و آب و مہ رفتار پر مجبور ہیں
کتنی رعنائی سے مستانہ رواں ہے قافلہ
ہائے ہر منزل میں پوشیدہ ہے سوئے قافلہ
تھا جنہیں ذوقِ فنا دار البقا کے بن گئے
اور ہم محوِ تماشا، خود تماشا بن گئے
محفلِ علم نبی اب سوز سے بیگانہ ہے
بجھ گئی وہ شمع جو مطلوب ہر پروانہ ہے
موت ہے آسان کتنی؟ کتنی مشکل زندگی
قیمتی بنتی ہے اے غافل یہ مہمل زندگی
قیس سا پیدا ہو اس دنیا میں یہ ممکن نہیں
پھر بہار آئے چمن میں آہ یہ ممکن نہیں
تخم جو شانِ نبوت کا دلوں میں بو گئے
کشتِ دل جب لہلہائی آہ اب وہ سو گئے

زندگی تیری تجلی چشمِ بینا کے لیے
زیبِ محفل اور سراپا سوزِ دنیا کے لیے

بس سراپا خدمتِ دیں کا عَلَم تیری حیات
ہے کتابِ دہر میں زرّیں رقم تیری حیات

منبر و محراب گریاں، بزمِ دیں اندوہ گیں
آج وہ خنداں ہیں جو رکھتے تھے بُت در آستیں

موت ہو ایسی کہ جس پر رشک سب بندوں کو ہو
زندگی ایسی ہو جو مطلوب سب بندوں کو ہو

جناب محمود احمد عارف صاحب "انوارِ مدینہ" میں "تربت پہ ان کی رحمتِ ربّ کریم ہو" کے تحت یوں لکھتے ہیں:۔

رخصت ہوئے جہاں سے محمد رسول خانؒ
عالِم تھے، باعمل تھے عجب مردِ خوش خصال

منقول میں امامِ زماں ان کی ذات تھی
بخشا خدائے پاک نے ایسا انہیں کمال

عمرِ طویل ساتھ تھی خیرِ کثیر کے
وہ اہلِ علم میں آپ ہی تھے اپنی اک مثال

اشرف علیؒ کی نسبتِ باطن کے تھے امیں
اخلاق میں تھا پرتوِ محبوبِ ذوالجلال

رمضان کے دنوں میں گئے سوئے آخرت
مجد و شرف کے ساتھ ملی نعمتِ وصال
تربت پہ ان کی رحمتِ ربِّ کریم ہو
رحمت تیری ہو دائمی اے ربِّ ذوالجلال

تعزیتی قرار دادیں

تعزیتی اداریوں اور مراثی کے علاوہ ملک کے اطراف و جوانب میں بیشمار تعزیتی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ جن میں آپ کے لیے بلندیٔ درجات اور آپ کے جملہ لواحقین کے لیے صبرِ جمیل کی دعائیں کی گئیں، نمونہ کے طور پر چند ایک قرار دادیں پیش کی جاتی ہیں :۔

"جمعیۃ طلبائے اسلام پاکستان کے ہنگامی اجلاس میں حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب کے انتقال پُر ملال پہ گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا، مرحوم نے اپنی زندگی دینِ اسلام کی خدمت میں وقف کر دی تھی اور ہندو پاک کے بڑے بڑے جید علماء مرحوم کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پاک بھی پڑھا گیا۔" (ہفت روزہ ترجمان اسلام ۵ر نومبر ۱۹۷۱ء ص ۱۲)

ہفت روزہ خدام الدین (قرآن نمبر) ۱۹ر نومبر ۱۹۷۱ء ص ۱۲۵ پہ "اظہارِ تعزیت" کے عنوان سے درج ذیل تعزیتی قرارداد شائع ہوئی :۔

"جمعیۃ طلبائے اسلام بھکر (میانوالی) کا ایک تعزیتی اجلاس دفتر جمعیۃ طلبائے اسلام (واقع غلہ منڈی) بھکر میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت قاضی جمشید عالم صدیقی صدر جمعیۃ طلبائے اسلام بھکر نے کی۔ قاضی صاحب موصوف نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا رسول خان صاحبؒ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور مولانا مرحوم کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی دینِ اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی اور مولانا برصغیر کے جید علمائے کرام میں شمار ہوتے تھے، آخر میں دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔"

مرکزی جامع مسجد حویلیاں سٹیشن کے خطیب حضرت مولانا قاضی عبدالحی چن پیر صاحب ہاشمی مدظلہٗ نے جمعۃ المبارک کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے حضرت الاستاذ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے، ان کی بے مثال خدمات کو سراہا اور ان کے لیے بلندی درجات اور لواحقین کے لیے صبرِ جمیل کی دعائیں کی گئیں اور ایک قرارداد میں حضرت مرحوم کے انتقال کو ملک و ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ قرار دیا۔

آپ کے چند ممتاز تلامذہ

آپ کے تلامذہ کو شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ برصغیر پاک و ہند کا کوئی

عالم ایسا نہ ہوگا جو آپ کا یا آپ کے شاگردوں کا شاگرد نہ ہو۔ یہاں صرف آپ کے چند ممتاز تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس وقت خود بھی معمر اساتذہ اور شیوخ میں شمار ہوتے ہیں:۔

۱۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند ومصنف "علماء ہند کا شاندار ماضی"۔

۲۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

۳۔ حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

۴۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی۔

۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی اعظم پاکستان و مدیر دارالعلوم کراچی۔

۶۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم شیخ الحدیث خیر المدارس ملتان۔

۷۔ حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

۸۔ حضرت مولانا قاری حکیم عبدالحکیم صاحبؒ ـــــ خلیفہ مجاز حضرت مدنیؒ، سابق استاذ جامعہ مدنیہ لاہور۔

۹۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور۔

۱۰۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ مدیر جامعہ مدنیہ کیمبلپور۔

۱۱۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم ڈسٹرکٹ خطیب ایبٹ آباد ہزارہ

۱۲۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ناظم جمعیتہ علماء اسلام پاکستان

۱۳۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۴۔ حضرت مولانا خلیل الرحمان صاحب شیخ الحدیث احمد المدارس سکندرپور۔ ہری پور ہزارہ

۱۵۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ۔ لاہور۔ (سابقاً) حال جامع ایبٹ آباد صدر

۱۶۔ حضرت مولانا حافظ علامہ نور الحسن صاحب پروفیسر پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

۱۷۔ حضرت مولانا حافظ عبد القدوس صاحب ایم اے صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی۔

۱۸۔ حضرت مولانا حافظ محمد حسن جان صاحب مدنی شیخ الحدیث دار العلوم نعمانیہ اتمان زئی چارسدہ پشاور۔

۱۹۔ حضرت مولانا قاضی عبد الحی چن پیر صاحب ہاشمی سابق استاذ، جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

۲۰۔ حضرت مولانا لطافت الرحمان صاحب شیخ الفقہ والقانون جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

۲۱۔ حضرت مولانا سید فیض علی شاہ صاحب استاذ الحدیث کبیر والا، سابق مدرس دار العلوم دیو بند۔

۲۲۔ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب سابق صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

اولاد

آپ کے تین فرزند اور تین ہی صاحبزادیاں ہیں۔ بڑی شمس النساء[1] ہیں۔ ان سے چھوٹے محمد عمران ہیں، ان سے چھوٹے محمد غفران، ان سے چھوٹی نور النساء، ان سے چھوٹے محمد عرفان اور خیر النساء، والدہ مولوی[2] شفیق الرحمان صاحب۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی جسمانی اولاد سے زیادہ ان کی روحانی اولاد اہل ثابت ہوئی، وہ جنہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، وہ جو شیخ الحدیث کے عہدوں پہ فائز ہوئے، وہ جنہوں نے تبلیغِ دین میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور وہ جنہوں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے اور بیعت کے اس تعلق کو نبھایا اور اب بھی نبھا رہے ہیں، یہ روحانی اولاد حضرت کا صدقہ جاریہ ہے۔

---

[1] حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب مدظلہ سے ہم نے سنا ہے، فرماتے تھے کہ حضرتؒ کی یہ تینوں صاحبزادیاں بہت نیک اور اللہ کی ولیہ ہیں۔

[2] مولوی شفیق الرحمان حضرتؒ کے نواسے ہیں اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں آخری کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ ماشاء اللہ صالح نوجوان ہیں۔

آپؒ کا صوفیانہ مسلک

آپ اولاً شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ پھر ان کے انتقال کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے تعلق قائم ہوا۔ انہی سے روحانی اسباق کی تکمیل کی۔ ۳، ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو حضرت تھانویؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

آپؒ کے خلفاء

آپ کے مریدین کی تعداد دو ہزار سے متجاوز ہے۔ ان میں سے چند خوش نصیب حضرات کو آپ نے اجازتِ بیعت سے بھی نوازا۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی مدرس جامعہ امدادیہ کشور گنج مومن شاہی مشرقی پاکستان۔
۲۔ حضرت مولانا حافظ عبد الرحمان صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۳۔ حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب — مشرقی پاکستان
۴۔ حضرت مولانا مہتاب الدین صاحب — " "
۵۔ حضرت مولانا انصار الدین صاحب — " "
۶۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب — " "
۷۔ حضرت مولانا محمود الحق صاحب — " "
۸۔ حضرت مولانا محمد نور الحق صاحب — " "

نمونۂ تقریظ

تفریح الجنان فی تفسیر ام القرآن مطبوعہ ۱۹۳۶ء۔ از مولانا عبدالقادر جامی ہزاروی پر حضرت الشیخؒ کی تقریظ ملاحظہ فرمایئے:۔

"بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔ علمِ تفسیر کے دیکھنے اور پڑھنے پڑھانے کی ضرورت کسی تمہید کی محتاج نہیں کیونکہ مسلمانوں کی ہر ترقی اسی قانونِ الٰہی کے دستور العمل بنانے سے ہوئی اور ہوگی، اس لیے مسلمان کسی حال میں علمِ تفسیر سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس احتیاج کو دیکھ کر دل میں گزرتا تھا کہ کم از کم سورۂ فاتحہ کی تفسیر عام فہم اردو میں لکھی جائے تاکہ ہر خاص و عام اس سے متمتع ہو سکے۔ آج بحمداللہ اس اہم مقصود کو مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب نے پورا کر کے ہر مسلمان کے ہاتھ میں شمع ہدایت دے دی۔ مَیں نے اس تفسیر کے کچھ اجزار اور بعض بعض مقامات غور سے دیکھے، تفسیر مذکور ہر پہلو سے محبوب اور دلکش ہے اور اپنے مؤلف کے کمالات کا آئینہ ہے۔ مؤلف مذکور کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو حق تعالیٰ اس سے مستفید فرما کر دینی دنیاوی ترقیات کا مرکز بنائے آمین۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ؁

صلی اللہ علی خیر خلقہٖ محمد و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین"

حضرت شیخؒ نے قاضی ظہور الحسن صاحب کی تالیف کردہ کتاب "رسول کی تعلیم" پر اظہارِ رائے فرمایا ہے
آپؒ کی یہ تقریظ سادہ، مختصر مگر نہایت مفید اور جامع ہے۔ کلماتِ کتاب ملاحظہ ہوں۔
اس وقت حضرت پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور میں صدر مدرّس تھے ——— (مرتب)

تقریظ

استاذ العلماء جامع المعقول و المنقول حضرت مولانا علامہ محمد رسول خان صاحبؒ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور سابق استاذ دار العلوم دیوبند قدس سرہٗ

"الحمد للہ کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
میں نے کتاب "رسول کی تعلیم" سرسری طور پر دیکھی۔ مصنف علّام نے بچوں کی ذہنیت کے مطابق نہایت آسان اردو میں مختلف ضروری عنوانات کے ماتحت مفید باتیں جمع کر دی

ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمان بچوں کو ان کی مبارک سعی سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

محمد رسول خان

صدر مدرس اورنٹیل کالج لاہور

"مفتاح العربیہ" (مصنفہ حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی) پر حضرتؒ کی عالمانہ و فاضلانہ ———— اور عجیب و غریب

تقریظ!

حضرت مولانا رسول خان صاحب صدر شعبہ عربی اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی ازواجِ مطہرات مومنین کے روحانی والدین ہیں اور مومنین ان کے روحانی بیٹے ہیں جس پر کہ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ مطابقۃً دال ہے اس روحانی تعلق کی علۃ ایمان ہی ہے جو بالمومنین کے لفظ سے مستفاد ہوتی ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے روحانی والدین کی طبعی زبان سوا عربی کے اور کوئی

زبان نہیں۔ پس ہمارے اس روحانی نسب کی لمّی دلیل اگر ایمان ہے تو اِنّی دلیل اس کی عربی زبان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسلامی اجتماعات میں مثل جمعہ و عیدین و نکاح وغیرہ خطبہ و اذان اور تکبیرات عربی کے سوا اور کسی زبان میں مخاطبین کے عجمی ہونے کی وجہ سے منقول نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عربی زبان کو شعائرِ اسلام سے سمجھتے تھے ——— تو اب تمام مسلمانوں کو ان حضرات کی جو عربی قواعد کی تسہیل کر کے ہمیں اپنے حقیقی نسب کے علامات اور لوازمات یاد دلاتے ہیں، بے حد قدر اور وقعت کرنی چاہیئے۔

اس تسہیل کے سلسلہ میں بہت سے رسالے احقر کی نظر سے گزرے ہیں لیکن سب سے اعلیٰ اور مفید تر "مفتاح العربیۃ" کے وہ دو حصے ہیں جو کہ قاضی مولوی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی کے تالیف شدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان رسالوں کو حسن قبول اور فاضل مؤلّف کو جزائے حسن اور خلق اللہ کو نفع عظیم عنایت فرمائیں۔

مولانا محمد عارف صاحب ایم اے مسجد ہاسٹل میڈیکل کالج لاہور

حضرتؒ کے بارے میں چند تاثرات

حضرتؒ کا غائبانہ تعارف

حضرتؒ کے علم وفضل کے بارے میں اکثر اپنے اساتذہ سے سنتا رہتا تھا۔ میں نے درجہ ابتدائیہ کی کتابیں برادر مکرم حضرت مولانا قاضی چن پیر صاحب سے اور درجہ متوسطہ کی حضرت مولانا سید غازی شاہ صاحب سے پڑھیں۔ دونوں بزرگ حضرتؒ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہ تعریفیں سن سن کر حضرتؒ کو دیکھنے کا شوق ہوا۔

حضرتؒ کی زیارت

غالباً ۱۹۵۴ء میں میں نے جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا اور سلم العلوم وحسامی وغیرہ کے اسباق میں شریک ہوا۔ یہ سبق اس وقت مولانا غلام محمد صاحب جالندھری پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا نے مجھ سے فرمایا "یہاں مولانا رسول خاں صاحب تشریف لاتے ہیں اور "قاضی مبارک" پڑھاتے ہیں۔ تم سبق میں بیٹھ جایا کرو اور جو تقریر فرمائیں میرے لیے لکھ لایا کرو۔" میں حیران ہوا کہ جن استاذ صاحب سے پڑھتا ہوں وہ حضرتؒ کے شاگرد ہوتے ہیں۔ میرے شوق میں مزید اضافہ ہوا۔ حضرت دارالحدیث میں "قاضی" پڑھا رہے تھے، میں بھی بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا ایک حسین وجمیل،

پُر وقار اور متین، معمر بزرگ، نہایت صاف ستھرا لباس زیب تن کئے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ آپؒ تقریر فرما رہے تھے۔ میں آپ کی طرف دیکھتا رہا۔ خدا گواہ ہے۔ میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔ یہاں اورینٹیل کالج تو تھا نہیں اور نہ ہی کالج کے طلبہ تھے۔ یہاں تو جامعہ تھا اور جامعہ کے محنتی، اصطلاحاتِ علوم سے باخبر اور منتہی طلبہ تھے اور بعض تو مستند علماً تھے۔ میں بغیر کچھ لکھے لکھائے مولانا غلام محمد صاحب کے پاس آیا اور عرض کیا، حضرت! مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آتی، آپ کے لیے کیا لکھوں گا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ یہ حضرتؒ کی پہلی زیارت تھی جو مجھے نصیب ہوئی۔

حضرتؒ سے استفادہ

صرف ایک سبق (وہ بھی بلا سمجھے) سننے کے بعد، میں حضرت کا گرویدہ ہو گیا۔ ایک دفعہ کالج میں آپ کے پیچھے پیچھے جا پہنچا۔ میں جامعہ اشرفیہ کا طالب علم تھا اور کالج میں باہر کے طلبہ کے لیے عام اجازت نہیں ہوتی کچھ رکاوٹیں محسوس ہوئیں تو اثنائے سال ہی میں نے بطور عارضی طالب علم (casual student) فیس جمع کرا دی۔ اب میں اگرچہ کالج کا باضابطہ (Regular) طالب تو نہ تھا لیکن مجھے ممانعت بھی بالکل نہ تھی۔ حضرتؒ کے اسباق میں کھلم کھلا شرکت کرتا تھا۔ کالج میں سلم العلوم، شمس بازغہ اور جامع ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

کالج میں حضرتؒ کی آمد و رفت کا انداز

حضرتؒ نہایت متانت اور وقار کے ساتھ حدودِ کالج میں داخل ہوتے

آپ کی رفتار اعتدال مگر توت کی رفتار ہوتی تھی۔ حضرتؒ کو چلتے ہوئے جب بھی دیکھا، سنتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) کے مطابق دیکھا۔ واہ! کیا قصد و اعتدال کی چال تھی!!

کالج میں پڑھانے کا طرز و طریق

حضرتؒ کا اندازِ تدریس کالج میں جامعہ اشرفیہ کے برعکس نہایت سہل بلکہ سہل ممتنع تھا۔ اثنائے سال، حاضری کی وجہ سے پہلے تو سمجھ نہیں آتی تھی، بعد میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور پھر حضرت کی نظرِ شفقت سے کچھ نہ کچھ حاصل ہونے لگا۔ اکثر طلبہ اصطلاحاتِ علوم و فنون سے بے خبر ہوتے بلکہ صرف و نحو سے بھی آشنا نہ ہوتے، ایسے طلبہ کو شمس بازغہ، سلم العلوم اور ترمذی شریف پڑھانا اور سمجھانا حضرت ہی کا حصہ تھا۔

ایک جامع ترمذی سے پورے علم حدیث کی، سلم سے فن منطق اور شمسِ بازغہ سے پورے فن فلسفہ کی بصیرت حاصل ہوتی تھی۔ کبھی کبھی پوچھ بھی لیتے تھے۔ جواب غلط ہوا تو فوراً ہاتھ کا اشارہ اور "چل حمار" یا "چل برا خفش" کے پیارے اعزاز سے نوازتے۔ یہ دو جملے مکمل انتباہ کی حیثیت بھی رکھتے اور تھکاوٹ کو بھی ختم کر دیتے تھے۔ طلبہ اسی انتباہ کے منتظر رہتے اور بہت خوش ہوتے تھے۔

؎ بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

بعض اوقات مجھ سے پوچھتے، کچھ الٹا سیدھا عرض کر دیتا، خوش ہو کر فرماتے "بزِ اخفش پہلے کہاں رہے، سال کے وسط میں آئے ہو۔"

سلم العلوم کے ادق مسائل سمجھانے کے لیے "ایسا غوجی" سے شروع

فرماتے اور پھر مباحثِ کتاب پر بحث فرماتے، خوب واضح تقریر فرماتے، یہاں تک کہ سبق یاد ہو جاتا۔

ترمذی شریف کی باری آتی تو تھوڑی سی دیر کچھ سکوت اختیار فرماتے پھر عبارت اکثر اوقات خود ہی شروع فرماتے، ایک ایک حرف ایک ایک کلمہ صاف اور واضح ہوتا۔ پھر تقریر شروع ہو جاتی۔ ائمہ کا مسلک بیان فرماتے۔ جس امام کا مسلک بیان فرماتے وہی بالکل حق معلوم ہونے لگتا اور بعض اوقات یوں محسوس ہوتا کہ احناف کے پاس اس مسلک کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ سب سے آخر میں امام اعظم رح کا مسلک بیان فرماتے پھر شد و مد سے، دلائل سے اُسے ثابت فرماتے۔ دلائلِ عقلیہ کا پہلو غالب ہوتا اور عموماً حوالہ جات سے احتراز فرماتے۔ مجتہدانہ انداز میں بولتے تھے۔ پھر ان تمام دلائل اور اشکالات کا جواب دیتے جو حنفی مسلک پر کسی بھی صورت میں وارد ہو سکتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے مسلک کی توضیح و تنقیح ایسی فرماتے کہ دوسرے مسالک بالکل مرجوح محسوس ہونے لگتے۔ کالج میں ہر قسم کے طلبہ (شیعہ، اہلِ حدیث، دیوبندی، بریلوی، آزاد خیال اور منکرینِ حدیث) ہوتے تھے۔ بعض اوقات اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی۔ معترضین کچھ مستقل ہوا کرتے اور کچھ ان کے مؤیدین، لیکن تھوڑی ہی دیر میں اعتراضات کا مطلع بالکل صاف ہو جاتا۔ جس طرف بابا پٹھان حضرت مولانا محمد رسول خانؒ متوجہ ہوتے، معترضین کو مطمئن فرمانے کے بعد ان ہی سے اقرار بھی کرا لیتے کہ پاجامے ڈھیلے ہو گئے ہیں —— باقی اپنی حالت تو یہ تھی کہ بہت کم

پوچھنے کی ضرورت پیش آتی۔ حضرت تمام ضروری باتیں خود ہی پوری تفصیل کیساتھ بیان فرما دیتے تھے۔ عقیدت مند کے لیے سبق کی حاضری اور آپ کی زیارت ہر سوال سے مستغنی کر دیتی تھی۔

اے لقاءِ تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

الغرض آپ کا اندازِ تدریس نہایت آسان اور مؤثر تھا یہی وجہ تھی کہ ہر مسلک اور ہر طبقہ کے طلبہ آپ سے کالج میں مستفید ہو رہے تھے۔ اس طرح حضرت کے علوم و فیوض جدید تعلیم یافتہ جوانوں تک پہنچ رہے تھے میں نے دیکھا کہ نہ صرف طلبہ بلکہ پروفیسر صاحبان بھی آپ کے تقوے اور علم و فضل سے بے حد متاثر تھے۔

حضرتؒ کا متعدی نفع

جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو آپ سے یونیورسٹی میں منتفع ہوتا رہا اور مدارسِ دینیہ کے طلبہ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اشرفیہ میں آپ سے علوم و فنون حاصل کرتے رہے۔ جامعہ پنجاب ہو یا جامعہ دیوبند و جامعہ اشرفیہ ہوں۔ ان جامعات میں مختلف شہروں کے نہیں بلکہ مختلف ممالک سے طلبہ حصول علم کے لیے پہنچتے ہیں۔ آپ کی صحبت میں فاضل اور عالم ہو کر نکلتے رہے اور مختلف ممالک میں تدریس و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بلیسویں صدی میں اتنا عظیم اور متعدی نفع آپ کی خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور جزاءِ خیر دیں۔

علماء میں حضرتؒ کا مقام حضرت جہاں بھی رہے۔ امتیازی حیثیت

میں رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں جہاں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جیسے متبحر علماء وفضلاء تھے وہاں ان کے اسی پایہ کے علامہ رفیق حضرت مولانا محمد رسول خان صاحبؒ ہزاروی بھی تھے۔ ہمارے اکابر نے ہمیں بتایا کہ حضرت علامہ شاہ صاحب کشمیریؒ کے ڈابھیل جانے کے بعد، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم کی نظر انتخاب، صدارت کے عہدہ کے لیے حضرتؒ پر پڑتی تھی اور ایک موقع پر حضرت مہتمم صاحب نے اس کا ذکر بھی فرمادیا تھا[1]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت دارالعلوم کی صدارت کی اہلیت رکھتے تھے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں دوسرے چند اجلّ علماء وفضلاء کی طرح تعظیم وتکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ہم نے اپنے اساتذہ سے یہ بھی سنا ہے کہ مدرسین علماء بعض اوقات اپنی تدریسی مشکلات میں علامہ کشمیریؒ سے رجوع کرتے تھے، لیکن علامہ ہزارویؒ نے کبھی ایسا نہیں کیا[2]۔

جامعہ اشرفیہ میں شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور دوسرے تمام مدرسین حضرت کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد تھے ـــــ یہاں بھی آپ کی حیثیت گویا استاذ الاساتذہ کی تھی۔ اس کے علاوہ اورنٹیل کالج میں بھی تمام طلبہ، پروفیسر صاحبان، پرنسپل صاحب، بلکہ وائس چانسلر

[1] یہ روایت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کی ہے جو مجھے مولانا علی اصغر صاحب کے واسطے سے پہنچی ہے [2] اپنے استاذ حضرت مولانا سید غازی شاہ صاحب سے ہم نے سنا تھا۔

تک آپ کی عزت کرتے تھے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء، واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔

حضرتؒ کے اخلاق و عادات

حضرتؒ نہایت خلیق تھے، ہمیشہ مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ بے حد شفیق تھے، ہر شخص یہی سمجھتا کہ حضرتؒ کا اس سے خاص الخاص تعلق ہے۔ ہم طلبہ کو بعض اوقات مولانا اور مولوی صاحب سے یاد فرماتے ــــــ ایک دفعہ مجھے کسی خدمت کیلئے اپنے ساتھ، دولتکدہ پر لے گئے۔ میں سیڑھیوں میں رک گیا، فرمایا "مولانا" اوپر آ جایئے۔ یہ کلمہ "بزاخفش" اور "حمار" کے لیے ایسا تھا کہ ندامت سے میرا سر جھک گیا۔

ایک مرتبہ حضرتؒ کو اچھرہ لایا، واپسی پر ٹیکسی پر مجھے نہ دیکھتے ہوئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا، وہ "ہادی مطلق کدھر گیا"۔ میں نے عرض کیا خادم مطلق آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ یہاں میری کوئی خصوصیت نہ تھی، بلکہ ہر طالب علم کے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔

حضرتؒ کی گفتگو بالکل واضح ہوتی۔ آپ کے کلمات گنے جا سکتے تھے۔ ہم طلبہ سہولت کے ساتھ آپ کی تقریر لکھ لیتے تھے۔ جب کسی کو دیکھتے متوجہ ہو کر دیکھتے گوشہ چشم سے نہیں دیکھتے تھے۔ متکلم کی بات نہایت توجہ سے سنتے اور بہت عمدہ جواب دیتے۔ اشکال و اعتراض سے ہرگز ناراض نہ ہوتے۔ جب کوئی اپنے علم سے آپ کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا تو حتی الامکان تحمل سے کام لیتے۔

ایک دفعہ ایک مدرس، پختہ عمر عالم سبق میں آ کر شریک ہوئے۔ انہوں نے حضرتؒ کی تقریر پر اعتراض شروع کر دیئے۔ حضرتؒ بہت بردبار تھے۔ جواب دیتے رہے۔ لیکن وہ عالم چپ نہ ہوئے تو حضرتؒ نے ان کے سوال پر اپنا ایک سوال

کیا۔ حضرتؒ کا یہ حملہ ناقابلِ دفاع ہوا کرتا تھا۔ وہ بے چارے مبہوت ہو گئے۔

حضرت انتہائی متواضع تھے۔ جہاں کہیں تشریف لے جاتے۔ فرش پر بیٹھنا پسند فرماتے۔ مسند، کرسی اور تخت وغیرہ سے عموماً اجتناب فرماتے تھے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے صورت، سیرت، علم و عمل خوشحالی اور دوسرے بہت سے کمالات سے آپ کو نواز رکھا تھا، پھر بھی متواضع رہتے۔ ایک دن حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فرماتے تھے کہ پٹھان قوم میں، اتنا متواضع عالم میں نے کوئی نہیں دیکھا

دوران سبق بعض اوقات نصیحت کے لیے بعض دلچسپ اور نصیحت آموز اشعار بھی پڑھتے تھے جن میں سے حافظِ شیرازؒ کے چند شعر یاد رہ سکے ہیں۔

؎ بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی — جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

؎ نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

؎ ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی — کایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدارا
آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف ست
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا!

حضرتؒ رقیق القلب تھے۔ احادیث میں جب رقت کے باب پڑھاتے تو روتے تھے۔ کئی دفعہ روتے ہوئے دیکھا اور خصوصیت کے ساتھ شمائل ترمذی اور کتاب الرقاق میں بہت روتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء کرام، صحابہؓ

لہ ایک دفعہ حضرت کی مجلس میں خلافت و ملوکیت کا دوران ناقدانہ باتوں کا ذکر ہوا جو بعض صحابہ کے بارے میں لکھی گئی ہیں تو آپ نے فرمایا "پہلے تو مورخین کی ساری باتیں حق نہیں ہیں، اگر حق ہوں بھی، تب بھی ہر واقعہ کا ذکر برسر عام ضروری نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اخفاء

اور بزرگانِ دین سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اکابر دیوبند سے بہت عقیدت تھی۔ بعض اوقات عقیدت میں:

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم — اذا جمعتنا یا جریر المجامع

بے ساختہ پڑھتے۔

غرض ہمارے حضرت، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تبع تھے، طلبہ اور علماء سے جدا ہوتے وقت، ان سے دعاءِ خاتمہ بالخیر کی فرمائش کرتے۔ آخرت کے بارے میں نہایت مغموم رہتے تھے — ان کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

حضرتؒ کی وفات

۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ آپ کی وفات کی خبر سن کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تاخیر سے اطلاع ملی، جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل نہ کر سکا، نہایت مغموم ہو کر جامعہ پہنچا۔ جامعہ میں تعطیلات تھیں۔ مکان باہر سے دیکھا، دونوں دروازے دیکھے، پھر سیڑھیوں میں بیٹھ کر رونے لگا۔ سامنے مسجد تھی، بائیں جانب دار الحدیث تھا جہاں کئی برس آپ نے درسِ حدیث دیا تھا[۱]۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ سب جگہیں آپ کا ماتم کر رہی ہیں۔ ایسے ہی موقع پر ہشام عدوی نے کہا تھا ؎

---

[۱] ۵۲ء سے ۷۱ء تک حضرت کی طویل صحبتیں نصیب ہوتی رہیں، جدائی کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا، اس وقت سیڑھیوں میں بیٹھ کر یوں محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ ام المومنین صدیقہ نے اس اجتماع اور فراق کو یوں بیان فرمایا تھا:

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکاً — لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

نحوا باسنی الافعال لا یخلفو نہ ٭ تکاد الجبال الصم منہ تصدع

خوی المسجد المعمور لعد ابن دلہم ٭ و امسی باو فی قومۂ قد تضعضعوا

فلم تنسنی ادنی المصیبات بعدہٗ ٭ و لکن نکاء القرح بالقرح اوجع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثتِ علمیہ کے یہ وارث دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز عالم، مولانا شیخ الہندؒ کے روحانی فرزند، حضرت تھانویؒ کے جانشین حضرت مولانا محمدؒ رسول خانؒ جو برس ہا برس کبھی دیوبند میں، کبھی کالج میں اور کبھی جامعہ اشرفیہ میں، علم و عرفان کی بارش بن کر برستے رہے۔ آہ! اب اچھڑیاں (ہزارہ) میں آرام فرمائیں۔ جس زمین سے پیدائش ہوئی وہیں دفن بھی ہوئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہزارہ کے لیے آپ کا مدفون وجود بہت بڑی سعادت ہے۔ ولقد ولدناہ وفینا تبوأہٗ ٭ وفضول نعمتہٖ بنا لم یجحد[1]

ہماری دعا ہے کہ آپ کی تربت بقعہ نور بنی رہے اور قیامت تک اس پر خدا کی رحمتیں چھم چھم برستی رہیں، حق تعالیٰ حضرت الاستاذ کو ہم سب کی طرف سے جزاءِ خیر دیں، آپ کو جناتِ عدن نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

الحمد للہ و بنعمتہٖ و فضلہٖ تتم الصٰلحٰت و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

محمد عارف ایم اے

---

[1] حضرت حسانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں مزارِ اقدس ہونے پر فخراً یہ شعر کہا ہے۔ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک محب مخلص اور متبع عالم کے مزار کو محض آپؐ کی وجہ سے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔